عمّ ٣٠

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

ترجمہ و تفسیر

تیسواں پارہ

© مكتبة دار السلام ١٤٢٧ هـ
فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
مكتبة دار السلام
ترجمة و تفسير جزء عم باللغة الاردية. / مكتبة دار السلام - الرياض، ١٤٢٧هـ
ص: ١٨٤ مقاس: ١٤×٢١ سم
ردمك: ٥-٠-٩٨٢٥-٩٩٦٠
١-القرآن - ترجمة - اللغة الاردية ٢- القرآن - التفسير الحديث أ-العنوان
ديوي ٢٢١,٤٩١٤٣٩ ١٤٢٧/٥٦٩٣
رقم الإيداع: ١٤٢٧/٥٦٩٣
ردمك: ٥-٠-٩٨٢٥-٩٩٦٠

سعودی عرب (ہیڈآفس)

پوسٹ بکس: 22743 الرياض: 11416 سعودی عرب فون: 4043432-4033962 1 00966 فیکس: 4021659
E-mail: darussalam@awalnet.net.sa - riyadh@dar-us-salam.com
Website: www.darussalam.com

● طریق مکہ۔العلیا۔الریاض فون: 4614483 1 00966 فیکس: 4644945 ● الملز۔الریاض فون: 4735220 فیکس: 4735221
● سویلم فون: 2860422 1 00966 ● جدہ فون: 6879254 2 00966 فیکس: 6336270
● مدینہ منورہ موبائل: 503417155 00966 فیکس: 8151121 ● خمیس مشیط فون: 2207055 7 00966 موبائل: 0500710328
● الخبر فون: 8692900 3 00966 فیکس: 8691551 ● ینبع البحر موبائل: 0500887341

شارجہ فون: 5632623 6 00971 **امریکہ** ❶ ہوسٹن فون: 7220419 713 001
لندن فون: 4885 539 208 0044 ❷ نیویارک فون: 6255925 718 001

پاکستان (ہیڈآفس و مرکزی شوروم)

❶ 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور

فون: 7110081-7111023-7232400-7240024 42 0092 فیکس: 7354072
Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com

❷ غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703 ❸ مون مارکیٹ اقبال ٹاؤن۔ لاہور فون: 7846714

کراچی شوروم Z-110,111 (D.C.H.S) مین طارق روڈ کراچی
فون: 0092-21-4393936 فیکس: 4393937 Email: darussalamkhi@darussalampk.com

اسلام آباد شوروم F-8 مرکز، اسلام آباد فون: 051-2500237

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ

"احسن البیان" کے تفسیری نکات و معارف

تحقیق و تخریج سے مزین ایڈیشن

حافظ صلاح الدین یوسف

نام کتاب : ترجمہ و تفسیر تیسواں پارہ

مصنّف : حافظ صلاح الدین یوسف

منتظمِ اعلیٰ : عبدالمالک مجاہد

مجلس انتظامیہ : حافظ عبدالعظیم اسد (منیجر دارالسلام لاہور) محمد طارق شاہد

مجلس مشاورت : حافظ صلاح الدین یوسف ڈاکٹر محمد افتخار کھوکھر پروفیسر محمد یحییٰ مولانا محمد عبدالجبار

ڈیزائننگ اینڈ السٹریشن : زاہد سلیم چودھری (آرٹ ڈائریکٹر)

خطاط : اکرام الحق

اشاعت اوّل : 2007

عرضِ ناشر

قرآن مجید سراسر ہدایت الٰہی کا سرچشمہ ہے مگر پارہ ''عمّ'' کو اس کے متنوع اور جامع مضامین کی بنا پر خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہ پارہ 37 سورتوں پر مشتمل ہے۔ اس میں سورۃ النبا سے لے کر سورۃ الناس تک سورتوں اور آیات کی طوالت بتدریج کم ہوتی نظر آتی ہے مگر قرآنی مضامین کی جامعیت بڑھتی چلی گئی ہے۔ ان سورتوں کے اہم مضامین عقیدۂ توحید، مظاہر فطرت سے توحید کا اثبات، شرک کا رد، فکر آخرت، دنیا میں انسان کی آمد کا مقصد، ذکر و تقویٰ، عبادت و اطاعت، تزکیۂ نفس اور جزا و سزا ہیں۔

پارہ عمّ کی اسی اہمیت کے پیش نظر دارالسلام نے ترجمہ و تفسیر تیسواں پارہ شائع کیا ہے جس کا بڑا مقصد قرآن کے طالب علموں کی نصابی، تعلیمی اور تدریسی ضروریات پوری کرنا ہے۔ بین السطور ترجمہ و تفسیر حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ کے قلم سے ہیں۔ اُن کی شہرۂ آفاق تفسیر ''احسن البیان'' کے نکات و معارف قرآن کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کی تڑپ رکھنے والوں کے لیے سوغات کا درجہ رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں آیات کی ترتیب کے اعتبار سے تیسویں پارے کے مضامین کی فہرست بھی شامل کی گئی ہے۔ ہماری تجویز ہے کہ تیسواں پارہ ترجمے کے ساتھ تمام مدارس کے شعبہ حفظ کے کورس میں بھی شامل کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ادارے کے ان سب کارکنوں کو جزائے خیر عطا فرمائے جنھوں نے اس پارے کی تیاری کے فنی مراحل، پروف خوانی، کمپوزنگ اور ڈیزائننگ اور اسے خوب سے خوب تر بنانے میں محنت کی ہے۔

خادمِ کتاب وسنت

عبدالمالک مجاہد

مدیر: دارالسلام۔ ریاض، لاہور

شعبان 1427ھ / ستمبر 2006ء

سورتوں کی فہرست

مضامین تیسواں پارہ

	آیات نمبر
اے انسان! تجھے کس نے اللہ کے معاملے میں دھوکے میں مبتلا کر رکھا ہے؟	12-6
تمھارے سب اعمال لکھنے والے فرشتے لکھتے جا رہے ہیں	12-10
روز قیامت کوئی شخص دوسرے شخص کا مالک و مختار نہ ہوگا	19-13

سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ

ناپ تول میں زیادہ لینے اور کم دینے والوں کی ہلاکت کا بیان	6-1
بدکاروں کا نامۂ اعمال [سِجِّيْن] میں ہے	13-7
برے اعمال سے دلوں پر زنگ آ جاتا ہے، برے لوگوں کے انجام کا بیان	17-14
نیک لوگوں کا نامۂ اعمال [عِلِّيِّيْن] میں ہے، ایسے لوگوں کے انعامات کا تذکرہ	28-18
روز قیامت اہل ایمان اپنا مذاق اڑانے والوں کا مذاق اڑائیں گے	36-29

سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ

قرب قیامت میں آسمان و زمین کے احوال کا بیان	5-1
دائیں یا بائیں ہاتھوں میں اعمال نامہ تھمائے جانے والوں کے مختلف انجام کا بیان	15-6
قرآن کی تصدیق و تکذیب کرنے والوں کے مختلف انجام کا تذکرہ	25-20

سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ

مسلمانوں کے بدخواہ خندق والوں کی داستان عبرت	10-4
اللہ تعالیٰ کی پکڑ بڑی سخت ہے، نیز چند دوسری صفات الٰہی کا بیان	16-12
قرآن مجید لوح محفوظ میں اسی طرح لکھا ہوا موجود ہے	22-21

سُوْرَةُ الطَّارِقِ

انسان کی پیدائش اور میدان محشر میں اس کے احوال کا بیان	10-1
کفار کو مہلت دیے جانے کا بیان	17-15

سُوْرَةُ الْاَعْلٰى

خلق، تقدیر اور ہدایت تینوں اللہ کے پاس ہیں	5-1
اللہ کا نبی کریم ﷺ کو پڑھایا ہوا اللہ کی مرضی کے بغیر بھول نہیں سکتا	7-6
اہلِ خشیت نصیحت پکڑتے ہیں جبکہ اہلِ شقاوت اجتناب کا رویہ اختیار کرتے ہیں	13-9
دنیا کی زندگی کو ترجیح دینے کے بجائے اپنا تزکیہ کریں، ذکر کریں اور نماز پڑھیں	19-14

سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ	آیات نمبر
روز قیامت ذلیل چہرے والوں کے خورونوش کا بیان	7-2
آسودہ چہرے والوں کا اخروی رہن سہن	16-8
قابل عبرت چار اہم ترین چیزیں	20-17
نبی ﷺ کا کام نصیحت کرنا، اللہ کا کام حساب لینا ہے	26-21
سُوْرَةُ الْفَجْرِ	
عاد ثمود اور فرعون جیسے فسادیوں کا حشر سامنے رکھو اور سدھر جاؤ	14-1
دنیادار انسان کی تلون مزاجی اور عملی کوتاہیاں	20-15
روز قیامت اللہ کی آمد اور جہنم کو سامنے لائے جانے کا بیان	26-21
مطمئن شخص پر اللہ کے انعامات کا تذکرہ	30-27
سُوْرَةُ الْبَلَدِ	
انسانی زندگی مشقتوں سے بھرپور ہے	4-1
کافر کی قدرت الٰہی کے متعلق بدگمانی اور اللہ کا مختلف انداز سے اپنی قدرت کا اثبات	10-5
دائیں ہاتھ والوں میں شامل ہونے کے لیے چند اعمال صالحہ کا تذکرہ	18-11
سُوْرَةُ الشَّمْسِ	
تزکیہ نفس کرنے والے کی کامیابی پر اللہ کی قسموں کا بیان	9-1
نفس کو کفر و معصیت سے آلودہ کرنیوالے ناکام ہی رہیں گے، بطور مثال قوم ثمود کا واقعہ	15-10
سُوْرَةُ الَّيْلِ	
تمھاری کوششیں مختلف ہیں' لہٰذا ان کے نتائج مرتب ہوں گے	11-1
بدبخت اور نیک بخت آدمیوں کی الگ الگ خامیاں اور خوبیاں	21-12
سُوْرَةُ الضُّحٰى	
اللہ تعالیٰ کے اپنے نبی سے دائمی تعلق کا بیان	8-1
تین کاموں کی خصوصی تعلیم	11-9
سُوْرَةُ اَلَمْ نَشْرَحْ	
نبی اکرم ﷺ پر اللہ تعالیٰ کے بے پایاں احسانات کی ایک جھلک	4-1
تنگی کے ساتھ آسانی ملتی ہے	8-5

سُوْرَةُ التِّيْنِ	آیات نمبر
انسانی صورت کی بہترین تخلیق پر چار قسموں کا بیان	4-1
اہل ایمان اور اعمال صالحہ کے خوگر لوگوں کے سوا باقی لوگ رسوا کن عذاب میں ہونگے	6-5
سُوْرَةُ الْعَلَق	
اپنے پیدا کرنے والے کے نام سے پڑھو' جس کے بہت سے احسانات ہیں	5-1
انسان کے پاس فراخی کی آمد اسے سرکش بنا دیتی ہے	8-5
نیک عمل کرنے والے کو روکنے اور پریشان کرنے والے کا انجام	19-6
سُوْرَةُ الْقَدْرِ	
لیلۃ القدر کی عظمت اور سراسر سلامتی والی رات کا بیان	5-1
سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ	
اہل کتاب کے کفار اور دیگر مشرکین کا نبی ﷺ اور قرآن کے ساتھ رویہ	4-1
مضبوط اور سیدھے دین کے مطلوبہ امور کو ماننے اور نہ ماننے والوں کا انجام	8-5
سُوْرَةُ الزِّلْزَالِ	
اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین اپنی خبریں بیان کرے گی	5-1
خیر و شر کے ہر مرتکب کے سامنے اس کا خیر و شر آجائے گا	8-6
سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ	
جہادی گھوڑوں کا مقام و مرتبہ	5-1
انسان اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی ناشکرا ہے اور مال کی محبت میں بڑا سخت ہے	8-6
سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ	
وقوع قیامت سے قبل دنیاوی نظام درہم برہم ہو جائے گا	5-1
دو مختلف گروہ اور ان کے اعمال کے نتائج کا تذکرہ	11-6
سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ	
مال کی ہوس مرتے دم تک انسان کو غافل رکھتی ہے	2،1
جہنم سامنے آنے والی ہے اور ہر نعمت کی پرسش بھی ہونے والی ہے	8-3
سُوْرَةُ الْعَصْرِ	
خسارے سے بچنے والے لوگوں کی چار صفات	3-1

سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ	آیات نمبر
عیب جو غیبت کرنے والے اور دنیاوی مال کو جمع اور شمار کرنے والے کا حشر	4-1
دلوں پر چڑھ جانے والی آگ [حُطَمَه] کی شدت کا بیان	9-5
سُوْرَةُ الْفِيْلِ	
اصحاب الفیل کی تباہی کا عبرت ناک واقعہ	5-1
سُوْرَةُ قُرَيْشٍ	
اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اظہار تشکر کے لیے عبادت بنیادی چیز ہے	4-1
سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ	
باعث ہلاکت چند اخلاقی اور مذہبی کمزوریوں کا بیان	7-1
سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ	
حوض کوثر کے عطا ہونے پر نماز اور قربانی کا اہتمام کرتے رہیں	3-1
سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْنَ	
کفار کے معبودوں سے اظہار لاتعلقی اور معبود واحد کی پرستش پر جمے رہنے کا مصمم عزم	6-1
سُوْرَةُ النَّصْرِ	
فتح مکہ، تکمیل دین اور آخرت کی تیاری کرنے کا تذکرہ	3-1
سُوْرَةُ اللَّهَبِ	
گستاخ رسول ابولہب اور اس کی جورو کا عبرت ناک انجام آخرت	5-1
سُوْرَةُ الْإِخْلَاصِ	
ہر طرح کے شرک کی تردید اور توحید کی تینوں اقسام کا اثبات	4-1
سُوْرَةُ الْفَلَقِ	
ظلمت شب، جادو اور حسد جیسی برائیوں سے پناہ مانگنے کا بیان	5-1
سُوْرَةُ النَّاسِ	
سینوں میں وسوسے ڈالنے والے جن وانس کے شیاطین سے پناہِ الٰہی میں آنے کا حکم	6-1

سُوْرَةُ النَّبَا

سُوْرَةُ النَّبَا (78) مَكِّيَّةٌ (80) — رُكُوْعَاتُهَا 2 — اٰيَاتُهَا 40

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ① عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ② الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ

وہ باہم کس چیز کے بارے میں سوال کرتے ہیں؟ ① اس عظیم خبر کے بارے میں ② جس میں وہ

مُخْتَلِفُوْنَ ③ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ④ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ⑤

اختلاف کرتے ہیں ③ ہرگز نہیں! جلد ہی وہ جان لیں گے ④ پھر ہرگز نہیں! جلد ہی وہ جان لیں گے ⑤

[1] جب رسول اللہ ﷺ کو خلعت نبوت سے نوازا گیا اور آپ نے توحید اور قیامت وغیرہ کا بیان فرمایا اور قرآن کی تلاوت فرمائی تو کفار و مشرکین باہم ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ یہ قیامت کیا واقعی ممکن ہے؟ جیسا کہ یہ شخص دعویٰ کر رہا ہے یا یہ قرآن واقعی اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے جیسا کہ محمد (ﷺ) کہتا ہے۔ استفہام کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے پہلے ان چیزوں کی وہ حیثیت نمایاں کی جو ان کی ہے۔ پھر خود ہی جواب دیا کہ......

[3] جس بڑی خبر کی بابت ان کے درمیان اختلاف ہے اور اس کے متعلق استفسار کیا جا رہا ہے، اس بڑی خبر سے بعض نے قرآن مجید مراد لیا ہے، کافر اس کے بارے میں مختلف باتیں کرتے تھے، کوئی اسے جادو، کوئی کہانت، کوئی شعر اور کوئی پہلوں کی کہانیاں بتلاتا تھا۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد قیامت کا برپا ہونا اور انسانوں کا دوبارہ زندہ ہونا ہے۔ اس میں بھی ان کے درمیان کچھ اختلاف تھا، کوئی بالکل انکار کرتا تھا اور کوئی صرف شک کا اظہار۔ بعض کہتے ہیں کہ سوال کرنے والے مومن و کافر دونوں ہی تھے، مومنین کا سوال تو اضافۂ یقین اور ازدیاد بصیرت کے لیے تھا اور کافروں کا سوال استہزا اور تمسخر کے طور پر۔

[5] یہ ڈانٹ اور زجر ہے کہ عنقریب سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ آگے اللہ تعالیٰ اپنی کاری گری اور عظیم قدرت کا تذکرہ فرما رہا ہے تاکہ توحید کی حقیقت ان کے سامنے واضح ہو اور اللہ کا رسول انھیں جس چیز کی دعوت دے رہا تھا، اس پر ایمان لانا ان کے لیے آسان ہو جائے۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۙ﴿6﴾ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۙ﴿7﴾ وَّخَلَقْنٰكُمْ

کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا؟﴿6﴾ اور پہاڑوں کو میخیں (نہیں بنایا؟)﴿7﴾ اور ہم نے تمھیں جوڑا جوڑا

اَزْوَاجًا ۙ﴿8﴾ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۙ﴿9﴾ وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۙ﴿10﴾

پیدا کیا﴿8﴾ اور ہم نے تمھاری نیند کو آرام کا ذریعہ بنایا﴿9﴾ اور ہم نے رات کو تمھارے لیے لباس بنایا﴿10﴾

وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۪﴿11﴾ وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۙ﴿12﴾

اور ہم نے دن کو روزی کمانے کا وقت بنایا﴿11﴾ اور ہم نے تمھارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے ﴿12﴾

[6] ﴿مِهٰدًا﴾ بچھونا یا فرش، یعنی فرش کی طرح تم زمین پر چلتے پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے، سوتے اور سارے کام کاج کرتے ہو۔

[7] ﴿اَوْتَادًا﴾ وَتَد کی جمع ہے "میخیں"۔ یعنی پہاڑوں کو زمین کے لیے میخیں بنایا تاکہ زمین ساکن رہے، حرکت نہ کرے کیونکہ حرکت واضطراب کی صورت میں زمین رہائش کے قابل ہی نہ ہوتی۔

[8] مذکر اور مؤنث (نر اور مادہ) یا ازواج بمعنی اصناف والوان ہے، یعنی مختلف قسموں، شکلوں اور رنگوں میں پیدا کیا، خوب صورت، بدصورت، دراز قد، کوتاہ قد، سفید اور سیاہ وغیرہ۔

[9] ﴿سُبَاتًا﴾ کے معنی قطع کرنے کے ہیں۔ رات بھی انسان وحیوان کی ساری حرکتیں منقطع کر دیتی ہے تاکہ سکون ہو جائے اور لوگ آرام کی نیند سو لیں۔ یا مطلب ہے کہ رات تمھارے اعمال کاٹ دیتی ہے، یعنی عمل کے سلسلے کو ختم کر دیتی ہے۔ عمل ختم ہونے کا مطلب، آرام ہے۔

[10] ڈھانکنے والی یا پردہ پوش، یعنی رات کی تاریکی اور سیاہی ہر چیز کو اپنے دامن میں چھپا لیتی ہے جس طرح لباس انسان کے جسم کو چھپا لیتا ہے۔

[11] دن کو تکوینی طور پر روشن بنایا تاکہ لوگ کسب معاش کے لیے جدوجہد کر سکیں۔

[12] ان میں سے ہر ایک کا فاصلہ پانچ سو سال کی مسافت جتنا ہے جو اس کے استحکام اور مضبوطی کی دلیل ہے۔

وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ⑬ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ⑭

اور ہم نے ایک روشن چراغ (سورج) بنایا⑬ اور ہم نے بھرے بادلوں سے خوب برسنے والا پانی نازل کیا⑭

[13] جَعَل بمعنی خَلَق:

یہ لفظ فَعَلَ اور صَنَعَ کی نسبت عام ہے، یعنی ہر کام کرنے کے لیے بولا جا سکتا ہے۔ عمومی طور پر یہ لفظ پانچ معانی میں استعمال ہوتا ہے:

① صَارَ اور طَفِقَ کے معنی میں۔ اس صورت میں یہ متعدی نہیں ہوتا۔

② أَوْجَدَ، خَلَقَ، یعنی پیدا کرنے، ایجاد کرنے کے معنی میں۔ اس صورت میں یہ ایک مفعول کے ساتھ متعدی ہوتا ہے۔

③ ''ایک شے کو دوسری شے سے پیدا کرنے'' کے معنی میں، جیسے: ﴿وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا﴾ ''اور اس (اللہ) نے تمھارے لیے پہاڑوں میں غار بنائے۔''①

④ تصییر یعنی کسی چیز کو ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل کرنے کے معنی میں، جیسے: ﴿الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا﴾ ''وہ ذات جس نے تمھارے لیے زمین کو بچھونا بنایا۔''②

⑤ ''کسی چیز سے کسی چیز پر حکم لگانے'' کے معنی میں، جیسے: ﴿وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ﴾ ''اور یہ لوگ اللہ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں! وہ (اولاد سے) پاک ذات ہے۔''③

یہاں اس آیت میں جَعَلَ، خَلَقَ کے معنی میں استعمال ہوا ہے، یعنی اس سے مراد سورج کی تخلیق ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ.

[14] ﴿الْمُعْصِرٰتِ﴾ وہ بدلیاں جو پانی سے بھری ہوئی ہوں لیکن ابھی برسی نہ ہوں، جیسے: اَلْمَرْأَةُ الْمُعْتَصِرَةُ. اس عورت کو کہتے ہیں جس کی ماہواری قریب ہو۔ ﴿ثَجَّاجًا﴾ کثرت سے بہنے والا پانی۔

① النحل 81:16 ② البقرة 22:2 ③ النحل 57:16

لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّنَبَاتًا ⑮ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ⑯ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ

تاکہ ہم اس کے ذریعے سے اناج اور سبزہ نکالیں ⑮ اور گھنے باغات (اگائیں) ⑯ بے شک فیصلے کا دن

كَانَ مِيْقَاتًا ⑰ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ⑱

ایک مقررہ وقت ہے ⑰ جس دن صور پھونکا جائے گا تو تم گروہ در گروہ چلے آؤ گے ⑱

[15] ﴿حَبًّا﴾ (دانا) وہ اناج جسے خوراک کے لیے ذخیرہ کرلیا جاتا ہے، جیسے گندم، چاول، جَو، مکئی وغیرہ اور ﴿نَبَاتًا﴾ سبزیاں اور چارہ وغیرہ جو جانور کھاتے ہیں۔

[16] ﴿اَلْفَافًا﴾ شاخوں کی کثرت کی وجہ سے ایک دوسرے سے ملے ہوئے درخت، یعنی گھنے باغ۔

[17] اولین اور آخرین سب کے جمع ہونے اور وعدے کا دن۔ اسے فیصلے کا دن اس لیے کہا کہ اس دن جمع کرنے کا مقصد ہی تمام انسانوں کا ان کے اعمال کی روشنی میں فیصلہ کرنا ہے۔

[18] بعض نے اس کا مفہوم یہ بھی بیان کیا ہے کہ ہر امت اپنے رسول کے ساتھ میدان حشر میں آئے گی۔ یہ دوسرا نفخہ ہوگا جس میں سب لوگ قبروں سے زندہ اُٹھ کر نکل آئیں گے۔

نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

«يُنْزِلُ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيَنْبُتُونَ كَمَا يَنْبُتُ الْبَقْلُ، لَيْسَ مِنَ الْإِنْسَانِ شَيْءٌ إِلَّا يَبْلٰى، إِلَّا عَظْمًا وَّاحِدًا وَّهُوَ عَجْبُ الذَّنَبِ، وَمِنْهُ يُرَكَّبُ الْخَلْقُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

”اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی نازل فرمائے گا، جس سے تمام انسان کھیتی کی طرح اگ آئیں گے۔ انسان کی ہر چیز بوسیدہ ہو جائے گی، سوائے ریڑھ کی ہڈی کے (آخری سرے کے جو سرین کے پاس ہے۔) اسی سے قیامت والے دن تمام مخلوقات کی دوبارہ ترکیب ہوگی۔“[1]

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ......﴾، حديث: 4935 و باب: ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ ......﴾، حديث: 4814

وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿19﴾ وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ

اور آسمان کھول دیا جائے گا تو (اس میں) دروازے ہی دروازے ہو جائیں گے ⑲ اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ

سَرَابًا ﴿20﴾ اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ﴿21﴾ لِّلطَّاغِيْنَ مَاٰبًا ﴿22﴾

ریت کی طرح ہو جائیں گے ⑳ بے شک دوزخ تاک میں ہے ㉑ سرکشوں کا ٹھکانا ہے ㉒

[19] فرشتوں کے نزول کے لیے راستے بن جائیں گے اور وہ زمین پر اتر آئیں گے۔

[20] ﴿سَرَابًا﴾ وہ چمکتی ریت جو دور سے پانی محسوس ہوتی ہو۔ پہاڑ بھی سراب کی طرح صرف دور سے نظر آنے والی چیز بن کر رہ جائیں گے اور اس کے بعد بالکل ہی معدوم ہو جائیں گے، ان کا کوئی نشان تک باقی نہیں رہے گا۔

پہاڑوں کی مختلف حالتوں کا بیان:

بعض کہتے ہیں کہ قرآن میں پہاڑوں کی مختلف حالتیں بیان کی گئی ہیں جن میں جمع و تطبیق کی صورت یہ ہے: ❀ انھیں ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا۔ ﴿فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً﴾ ''ایک ہی چوٹ سے ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے۔''[1] ❀ وہ دُھنکی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں گے۔ ﴿كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ﴾ ''دُھنکی ہوئی رنگین اون جیسے۔''[2] ❀ وہ گرد و غبار ہو جائیں گے۔ ﴿وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْبَثًّا ۝﴾ ''اور پہاڑ (توڑ پھوڑ کر) ریزہ ریزہ کر دیے جائیں گے۔ تب وہ پراگندہ، غبار جیسے ہو جائیں گے۔''[3]

❀ ان کو اڑا دیا جائے گا۔ ﴿يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا﴾ ''میرا رب انھیں اڑا کر بکھیر دے گا۔''[4]

❀ وہ سراب ہو جائیں گے، یعنی لَا شَيْءَ (کوئی چیز نہیں رہے گی) جیسا کہ مذکورہ آیت میں ہے۔[5]

[21] گھات ایسی جگہ کو کہتے ہیں جہاں چھپ کر دشمن کا انتظار کیا جاتا ہے تاکہ جب وہ وہاں

① الحآقة 14:69 ② القارعة 5:101 ③ الواقعة 56:5-6 ④ طٰهٰ 105:20

⑤ فتح القدیر، النبأ 20:78

لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ﴿23﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿24﴾ اِلَّا

وہ اس میں مدتوں پڑے رہیں گے ﴿23﴾ وہ اس میں کسی ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے نہ کسی مشروب کا ﴿24﴾ (ہاں) مگر

حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ﴿25﴾ جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿26﴾ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴿27﴾

کھولتا پانی اور بہتی پیپ ﴿25﴾ (یہ ہے) بدلہ پورا ﴿26﴾ انھیں تو حساب کی امید ہی نہ تھی ﴿27﴾

وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ﴿28﴾ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ﴿29﴾

انھوں نے ہماری آیات کو بے دریغ جھٹلایا ﴿28﴾ اور ہم نے ہر چیز کو ایک کتاب میں گن رکھا ہے ﴿29﴾

سے گزرے تو فوراً اس پر حملہ کر دیا جائے۔ جہنم کے داروغے بھی جہنمیوں کے انتظار میں اسی طرح بیٹھے ہیں یا خود جہنم اللہ تعالیٰ کے حکم سے کفار کے لیے گھات لگائے بیٹھی ہے۔

[23] أَحْقَاب، حُقُب کی جمع ہے، بمعنی ''زمانہ''۔ مراد ابد اور ہمیشگی ہے کہ ابد الآباد تک وہ جہنم ہی میں رہیں گے۔ یہ سزا کافروں اور مشرکوں کے لیے ہے۔ اس لفظ ﴿اَحْقَابًا﴾ سے بھی علماء نے جہنم کے ابد الآباد ہونے پر استدلال کیا ہے۔

[25] جو جہنمیوں کے جسموں سے نکلے گی۔

[26] یا موافق عمل، یعنی یہ سزا ان کے ان اعمال کے مطابق ہے جو وہ دنیا میں کرتے رہے ہیں، اس لیے اسے پوری جزا سے تعبیر کرنا بھی درست ہے۔

[27] یہ پہلے جملے کی تعلیل ہے، یعنی وہ مذکورہ سزا کے اس لیے مستحق قرار پائے کہ عقیدۂ بعث بعد الموت (مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کا عقیدہ) کے وہ قائل ہی نہیں تھے کہ حساب کتاب کی وہ امید رکھتے۔

[29] لوح محفوظ میں۔ یا وہ ریکارڈ مراد ہے جو فرشتے لکھتے رہے۔ پہلا مفہوم زیادہ صحیح ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ﴾ ''ہم نے ہر چیز کو لوح محفوظ میں ضبط کر دیا ہے۔''[1]

---

[1] یٰس 12:36

فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ﴿۳۰﴾ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾ ع 30/1

لہٰذا اب تم (اپنے کیے کا مزہ) چکھو، ہم تمھارا عذاب بڑھاتے ہی رہیں گے (30) بے شک متقی لوگوں کے لیے کامیابی ہے (31)

حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا ﴿۳۲﴾ وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿۳۳﴾ وَّكَاْسًا دِهَاقًا ﴿۳۴﴾

باغات اور انگور ہیں (32) اور نوجوان ہم عمر عورتیں (33) اور چھلکتے ہوئے جام ہیں (34)

[30] عذاب بڑھانے کا مطلب ہے کہ اب یہ عذاب دائمی ہے۔ جب ان کے چمڑے گل جائیں گے تو دوسرے بدل دیے جائیں گے۔ ﴿ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ﴾ ''جب ان کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم ان کی جگہ دوسری کھالیں چڑھا دیں گے تا کہ وہ عذاب چکھیں۔''[1]

جب آگ بجھنے لگے گی تو پھر بھڑکا دی جائے گی۔ ﴿ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴾ ''جب وہ (آگ) بجھنے لگے گی تو ہم ان کے لیے اور بھڑکا دیں گے۔''[2]

[31] ﴿ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴾ ''پرہیزگاروں کے لیے۔'' اہل شقاوت کے تذکرے کے بعد یہ اہل سعادت کا تذکرہ اور ان نعمتوں کا بیان ہے جن سے حیات اخروی میں وہ بہرہ ور ہوں گے۔ یہ کامیابی اور نعمتیں انھیں تقوٰی کی بدولت حاصل ہوں گی۔ تقوٰی، ایمان و اطاعت کے تقاضوں کی تکمیل کا نام ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو ایمان لانے کے بعد تقوٰی اور عمل صالح کا اہتمام کرتے ہیں۔ جَعَلَنَا اللّٰهُ مِنْهُمْ.

[32] یہ ﴿ مَفَازًا ﴾ (کامیابی) سے بدل ہے۔

[33] ﴿ وَّكَوَاعِبَ ﴾ كَاعِبَة کی جمع ہے، یہ كَعْب (ٹخنہ) سے ہے، جس طرح ٹخنہ ابھرا ہوا ہوتا ہے، ان کی چھاتیوں میں بھی ایسا ہی ابھار ہوگا جو ان کے حسن و جمال کا ایک مظہر ہے۔ ﴿ اَتْرَابًا ﴾ ہم عمر (خاوندوں کی ہم عمر یا آپس میں ہم عمر)۔

[34] ﴿ دِهَاقًا ﴾ بھرے ہوئے یا لگا تار، ایک کے بعد ایک یا صاف شفاف۔ كَاْسٌ ایسے

---

[1] النساء 56:4 [2] بنی إسرائيل 97:17

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ﴿35﴾ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ

وہ جنت میں نہ تو بے ہودہ باتیں سنیں گے اور نہ جھوٹ ﴿35﴾ انھیں آپ کے رب کی طرف سے نیک اعمال کا یہ بدلہ ملے

عَطَآءً حِسَابًا ﴿36﴾

گا جو ان کے لیے کافی انعام ہو گا ﴿36﴾

جام کو کہتے ہیں جو لبالب بھرا ہوا ہو۔

[35] کوئی بے فائدہ اور بے ہودہ بات وہاں نہیں ہو گی، نہ ایک دوسرے سے جھوٹ بولیں گے۔

[36] ﴿ عَطَآءً ﴾ کے ساتھ ﴿ حِسَابًا ﴾ مبالغے کے لیے آتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی داد و دہش کی وہاں فراوانی ہو گی۔ یا ﴿ حِسَابًا ﴾ کَافِیًا (کفایت کرنے والا) کے معنی میں ہے یا ﴿ حِسَابًا ﴾ حساب ہی کے معنی میں ہے، یعنی ہر شخص کو اس کے عمل، اخلاص اور جذبے کے مطابق جزا دی جائے گی۔ گویا اس آیت میں تین باتیں جمع ہو گئی ہیں:

① عمل کی اہمیت، کیونکہ جزا اس کی روشنی ہی میں ملے گی۔

② عمل کے باوجود محض عمل ہی پر بھروسا نہ رکھنا بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی اُمید رکھنا کیونکہ جب تک اللہ تعالیٰ اپنے دامان رحمت میں نہیں ڈھانک لے گا، کسی کی نجات نہیں ہو گی جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «فَإِنَّهُ لَا يُدْخِلُ أَحَدًا الْجَنَّةَ عَمَلُهُ» ”بے شک کسی کو اس کا عمل جنت میں نہیں لے جائے گا۔“ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: «وَلَا أَنْتَ يَارَسُولَ اللهِ؟» ”آپ کو بھی نہیں، اے اللہ کے رسول؟“ آپ نے فرمایا: «وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّرَحْمَةٍ» ”اور مجھے بھی نہیں مگر یہ کہ اللہ اپنی مغفرت اور رحمت کے سایے میں مجھے ڈھانک لے۔“[1]

[1] صحیح البخاری، الرقاق، باب القصد و المداومة علی العمل، حدیث: 6467 و صحیح مسلم، صفات المنافقین، باب لن یدخل أحد الجنة بعمله……، حدیث: 2818

رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ

جو آسمانوں اور زمین کا اور ان کے درمیان تمام اشیا کا رب ہے، نہایت مہربان ہے، وہ اس سے بات کرنے کا

مِنْهُ خِطَابًا ﴿37﴾ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا

اختیار نہیں رکھیں گے ﴿37﴾ جس دن جبریل اور (سب) فرشتے اس کے حضور صف بستہ کھڑے ہوں گے،

لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿38﴾

اس سے صرف وہی کلام کر سکے گا جسے رحمٰن اجازت دے گا اور وہ درست بات کہے گا ﴿38﴾

③ جزائے اعمال میں تفاوت اور اس کی بنا پر فرق مراتب کیونکہ ہر شخص کو جب حساب، یعنی اس کے عمل کے مطابق جزا ملے گی تو جس نے زیادہ نیکیاں کمائی ہوں گی، اخلاص اور حسن نیت کا زیادہ اہتمام کیا ہوگا، اس کو اجر و صلہ بھی زیادہ ملے گا اور جنت کے اعلیٰ درجات و مراتب کا مستحق قرار پائے گا جبکہ اس سے کم تر عمل والا رتبے اور درجے میں اس سے کم ہوگا۔

[37] اس کی عظمت، ہیبت اور جلالت اتنی ہوگی کہ ابتداءً اس سے کسی کو بات کرنے کی ہمت نہ ہوگی، اسی لیے اس کی اجازت کے بغیر کوئی شفاعت کے لیے بھی لب کشائی نہیں کر سکے گا۔

[38] یہاں جبرائیل علیہ السلام سمیت ﴿الرُّوْحُ﴾ کے کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں، امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے بنو آدم (انسان) کو أشبه (قرین قیاس) قرار دیا ہے اور امام ابن جریر رحمہ اللہ نے کسی ایک رائے کے اختیار کرنے میں توقف کیا ہے، تاہم اکثر مفسرین نے اس سے مراد جبریل علیہ السلام لیے ہیں کیونکہ قرآن مجید میں دوسرے مقامات پر جبریل علیہ السلام کے لیے روح القدس، الروح الامین یا الروح کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ یہاں بھی الروح سے مراد جبریل علیہ السلام ہی ہیں۔[1]

﴿لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ﴾ ''وہ کلام نہیں کر سکیں گے'' ﴿اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ﴾ ''مگر وہی کہ جسے رحمٰن اجازت دے گا۔'' کلام کرنے کی یہ اجازت اللہ تعالیٰ مقرب فرشتوں کو اور اپنے پیغمبروں

① تفسیر ابن کثیر، النبأ 38:78

ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿39﴾ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ

یہ دن برحق ہے، چنانچہ جو چاہے اپنے رب کے پاس ٹھکانا بنا لے ﴿39﴾ بے شک ہم نے تمھیں جلد آنے والے

عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ

عذاب سے ڈرا دیا ہے، اس دن انسان وہ (سب کچھ) دیکھے گا جو اس کے دونوں ہاتھوں نے آگے بھیجا ہوگا

وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿40﴾ ع

اور کافر کہے گا: کاش! میں مٹی ہو جاتا ﴿40﴾

کو عطا فرمائے گا اور وہ جو بات کریں گے حق وصواب ہی ہوگی۔ یا یہ مفہوم ہے کہ اجازت صرف اسی کے بارے میں دی جائے گی جس نے درست بات کہی ہو، یعنی کلمۂ توحید کا اقرار ی رہا ہو۔

[39] ﴿ اَلْيَوْمُ الْحَقُّ ﴾ ''برحق دن'' یعنی یہ دن لامحالہ آنے والا ہے۔ ﴿ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ ﴾ ''سو جو چاہے وہ پکڑے'' ﴿ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴾ ''اپنے رب کی طرف ٹھکانا'' یعنی اس آنے والے دن کو سامنے رکھتے ہوئے ایمان وتقویٰ کی زندگی اختیار کرے تاکہ اس روز وہاں اس کو اچھا ٹھکانا مل جائے۔

[40] ﴿ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ ﴾ ''ہم نے ڈرا دیا ہے تمھیں'' ﴿ عَذَابًا قَرِيْبًا ﴾ ''قریب کے عذاب سے'' یعنی قیامت والے دن کے عذاب سے جو قریب ہی ہے۔ کیونکہ اس کا آنا یقینی ہے اور «كُلُّ مَا آتٍ فَهُوَ قَرِيبٌ» ''ہر آنے والی چیز قریب ہی ہے۔'' کیونکہ بہرصورت اس نے آکر ہی رہنا ہے۔

﴿ يَنْظُرُ الْمَرْءُ ﴾ ''دیکھے گا انسان'' ﴿ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ﴾ ''جو کچھ آگے بھیجا اس کے دونوں ہاتھوں نے'' یعنی اچھا یا برا جو عمل بھی اس نے دنیا میں کیا، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچ گیا ہے، قیامت کے دن وہ اس کے سامنے آجائے گا اور وہ اس کا مشاہدہ کر لے گا۔ ﴿ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ﴾ ''جو کچھ انھوں نے کیا ہوگا، وہ سامنے پائیں گے۔''[1] ﴿ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ

[1] الکھف 49:18

﴿بِمَا قَدَّمَ وَأَخَّرَ﴾ ''انسان کو اس دن اگلے پچھلے اعمال کی خبر دی جائے گی۔''[1]

﴿وَيَقُولُ الْكَافِرُ﴾ ''اور کافر کہے گا'' ﴿يَا لَيْتَنِي﴾ ''اے کاش کہ میں'' ﴿كُنتُ تُرَابًا﴾ ''ہوتا میں مٹی۔'' یعنی جب وہ اپنے لیے ہولناک عذاب دیکھے گا تو یہ آرزو کرے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حیوانات کے درمیان بھی عدل و انصاف کے مطابق فیصلہ فرمائے گا حتی کہ ایک سینگ والی بکری نے بے سینگ کے جانور پر کوئی زیادتی کی ہوگی تو اس کا بھی اللہ تعالیٰ بدلہ دلائے گا۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوقَ إِلٰى أَهْلِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، حَتّٰى يُقَادَ لِلشَّاةِ الْجَلْحَاءِ مِنَ الشَّاةِ الْقَرْنَاءِ»

''تمھیں قیامت کے دن حق والوں کے حق ضرور ادا کرنے ہوں گے حتی کہ سینگوں والی بکری سے بغیر سینگوں والی بکری کو بدلہ دلوایا جائے گا۔''[2]

اس سے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ جانوروں کو حکم دے گا: «كُونُوا تُرَابًا» ''تم مٹی ہو جاؤ۔'' چنانچہ وہ مٹی ہو جائیں گے۔ اس وقت کافر بھی آرزو کریں گے کہ کاش وہ بھی حیوان ہوتے اور آج مٹی بن جاتے۔[3]

---

① القيامة 13:75

② صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظلم، حديث : 2582 و مسند أحمد: 235/2

③ تفسير ابن كثير، الأنعام 6 : 73 والنبأ 78 : 40 و سلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني، حديث: 1966

سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ

سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ (79) مَكِّيَّةٌ (81) — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — رُكُوْعَاتُهَا 2 اٰيَاتُهَا 46

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے
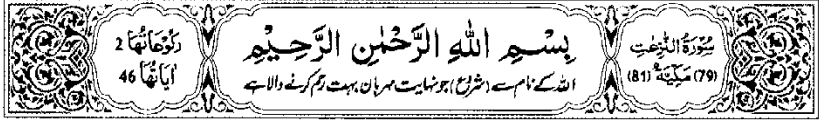
وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ① وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ② وَّالسّٰبِحٰتِ

قسم ہے ڈوب کر روح نکالنے والے (فرشتوں) کی ① اور آسانی سے روح نکالنے والوں کی ② اور تیزی سے

سَبْحًا ③ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ④ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ⑤

وقف لازم

تیرنے والوں کی ③ پھر دوڑ کر آگے بڑھنے والوں کی ④ پھر کام کی تدبیر کرنے والوں کی ⑤

[1] نَزْعٌ کے معنی ہیں ''سختی سے کھینچنا'' ﴿غَرْقًا﴾ ''ڈوب کر۔'' یہ جان نکالنے والے فرشتوں کی صفت ہے۔ فرشتے کافروں کی جان نہایت سختی سے نکالتے ہیں اور جسم کے اندر ڈوب کر۔

[2] ﴿نَشْطًا﴾ کے معنی ہیں ''گرہ کھول دینا۔'' یعنی مومن کی جان فرشتے بہ سہولت نکالتے ہیں، جیسے کسی چیز کی گرہ کھول دی جائے۔

[3] ﴿سَبْحًا﴾ کے معنی ہیں ''تیرنا۔'' فرشتے روح نکالنے کے لیے انسان کے بدن میں اس طرح تیرتے پھرتے ہیں جیسے غواص (غوطہ لگانے والا) سمندر سے موتی نکالنے کے لیے سمندر کی گہرائیوں میں تیرتا ہے۔ یا اس کا مطلب ہے کہ نہایت تیزی سے اللہ تعالیٰ کا حکم لے کر آسمان سے اترتے ہیں کیونکہ تیز رو گھوڑے کو بھی سابح کہتے ہیں۔

[4] یہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی وحی، انبیاء تک، دوڑ کر پہنچاتے ہیں تا کہ شیطان کو اس کی کوئی سن گن نہ ملے۔ یا مومنوں کی روحیں جنت کی طرف لے جانے میں نہایت سرعت اور تیزی سے کام لیتے ہیں۔

[5] اللہ تعالیٰ جو کام ان کے سپرد کرتا ہے، وہ اس کی تدبیر کرتے ہیں۔ اصل مُدَبِّر تو اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنی حکمت بالغہ کے تحت فرشتوں کے ذریعے سے کام کرواتا ہے تو انھیں بھی مُدَبِّر کہہ دیا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے یہ پانچوں صفات فرشتوں کی ہیں اور ان فرشتوں کی اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے۔ جواب قسم محذوف ہے، یعنی ﴿لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ﴾

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ⑥ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ⑦ قُلُوْبٌ يَّوْمَىِٕذٍ

جس دن کانپنے والی (زمین) کانپے گی⑥ اس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی (قیامت)⑦ اس دن کئی دل

وَّاجِفَةٌ ⑧ اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ⑨ يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي

دھڑکتے ہوں گے⑧ ان کی آنکھیں جھکی ہوں گی⑨ وہ (کافر) کہتے ہیں: کیا ہم یقیناً پہلی حالت میں لوٹائے

الْحَافِرَةِ ⑩ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ⑪

جائیں گے؟⑩ کیا جب ہم گلی سڑی ہڈیاں ہو جائیں گے؟⑪

''تم ضرور زندہ کیے جاؤ گے اور تمھیں تمھارے عملوں کی بابت خبر دی جائے گی۔''[1] قرآن مجید نے اس بعث و جزا کے لیے کئی مواقع پر قسم کھائی ہے، جیسے مذکورہ آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔ یہ بعث و جزا کب ہوگی؟ اس کی وضاحت آگے فرمائی۔

[6] یہ نفخۂ اولیٰ ہے جسے نفخۂ فنا کہتے ہیں، جس سے ساری کائنات کانپ اور لرز اٹھے گی اور ہر چیز فنا ہو جائے گی۔

[7] یہ دوسرا نفخہ ہوگا، جس سے سب لوگ زندہ ہو کر قبروں سے نکل آئیں گے۔ یہ دوسرا نفخہ پہلے نفخے سے چالیس سال بعد ہوگا۔ اسے ﴿ الرَّادِفَةُ ﴾ (پیچھے آنے والی) اس لیے کہا ہے کہ یہ پہلے نفخے کے بعد ہی ہوگا، یعنی نفخۂ ثانیہ، نفخۂ اولیٰ کا ردیف ہے۔

[8] قیامت کے اہوال اور شدائد سے۔

[9] ﴿ اَبْصَارُهَا ﴾ (ان کی نظریں) یعنی أَبْصَارُ أَصْحَابِهَا ، ایسے دہشت زدہ لوگوں کی نظریں بھی (مجرموں کی طرح) جھکی ہوئی ہوں گی۔

[10] ﴿ الْحَافِرَةِ ﴾ پہلی حالت کو کہتے ہیں۔ یہ منکرینِ قیامت کا قول ہے کہ کیا ہم پھر اس طرح زندہ کر دیے جائیں گے جس طرح مرنے سے پیشتر تھے؟

[11] یہ انکارِ قیامت کی مزید تاکید ہے کہ ہم کس طرح زندہ کر دیے جائیں گے جبکہ ہماری

---

[1] التغابن 7:64

وقف لازم قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ⑫ فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ⑬

کہتے ہیں کہ اس وقت لوٹنا تو خسارے والا ہے⑫ چنانچہ وہ (قیامت) تو صرف ایک (خوفناک) ڈانٹ ہوگی⑬

وقف لازم فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ⑭ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ⑮ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ

تب لوگ ایک دم کھلے میدان میں (جمع) ہونگے⑭ یقیناً آپکے پاس موسیٰ کی بات آچکی ہے⑮ جب اس کے رب نے

بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ⑯ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ⑰

مقدس وادی طویٰ میں اسے پکارا تھا⑯ (کہ) فرعون کی طرف جاؤ، بے شک اس نے سرکشی کی ہے⑰

ہڈیاں بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گی؟

[12] اگر واقعی ایسا ہوا جیسا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتا ہے، پھر تو یہ دوبارہ زندگی ہمارے لیے سخت نقصان دہ ہوگی۔

[14] ﴿ اَلسَّاهِرَةِ ﴾ سے مراد زمین کی سطح، یعنی میدان ہے۔ سطح زمین کو ﴿ اَلسَّاهِرَةِ ﴾ (بیدار) اس لیے کہا گیا ہے کہ تمام جانداروں کا سونا اور بیدار ہونا اسی زمین پر ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ چٹیل میدانوں اور صحراؤں میں خوف کی وجہ سے انسان کی نیند اڑ جاتی ہے اور وہاں بیدار رہتا ہے، اس لیے سطحِ زمین کو ﴿ اَلسَّاهِرَةِ ﴾ کہا جاتا ہے۔[1] بہرحال یہ قیامت کی منظر کشی ہے کہ ایک ہی نفخے سے سب لوگ ایک میدان میں جمع ہو جائیں گے۔

[16] یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے واپسی پر آگ کی تلاش میں کوہ طور پر پہنچ گئے تھے تو وہاں ایک درخت کی اوٹ سے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا جیسا کہ اس کی تفصیل سورۂ طٰہٰ کے آغاز میں ہے۔[2] ﴿ طُوًى ﴾ اس جگہ کا نام ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو شرف ہم کلامی بخشا، ہم کلامی کا مطلب نبوت و رسالت سے نوازنا ہے، یعنی موسیٰ علیہ السلام آگ لینے گئے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں رسالت عطا فرما دی۔

[17] کفر و معصیت اور تکبر میں حد سے تجاوز کر گیا ہے۔

① فتح القدیر، النازعات 14:79 ② طٰہٰ 12,10:20

فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰۤى اَنْ تَزَكّٰى ﴿18﴾ وَ اَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ﴿19﴾

پھر (اسے) کہو: کیا تو پاک ہونا چاہتا ہے؟﴿18﴾ اور میں تیرے رب کی طرف تیری راہنمائی کروں کہ تو ڈر جائے﴿19﴾

فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿20﴾ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿21﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ

چنانچہ اس (موسیٰ) نے اسے بڑی نشانی دکھائی﴿20﴾ تو اس نے (اسے) جھٹلایا اور نافرمانی کی﴿21﴾ پھر وہ پلٹا

يَسْعٰى ﴿22﴾ فَحَشَرَ فَنَادٰى ﴿23﴾ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿24﴾

(فساد کی) کوشش کرتا ہوا﴿22﴾ پھر سب کو جمع کر کے اعلان کیا﴿23﴾ تو کہا: میں تمھارا سب سے بڑا رب ہوں﴿24﴾

[18] کیا ایسا راستہ اور طریقہ تو پسند کرتا ہے جس سے تیری اصلاح ہو جائے؟ اور وہ یہ ہے کہ مسلمان اور مطیع ہو جا۔

[19] اس کی توحید اور عبادت کا راستہ تاکہ تو اس کے عقاب سے ڈرے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف اسی دل میں پیدا ہوتا ہے جو ہدایت پر چلنے والا ہوتا ہے۔

[20] اپنی صداقت کے وہ دلائل پیش کیے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انھیں عطا کیے گئے تھے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد وہ معجزات ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیے گئے تھے۔ مثلاً: ید بیضا اور عصا اور بعض کے نزدیک آیات تِسعہ (نو نشانیاں)۔

[21] لیکن ان دلائل و معجزات کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ تکذیب و نافرمانی کے راستے پر گامزن رہا۔

[22] اس نے ایمان و اطاعت سے اعراض ہی نہیں کیا بلکہ زمین میں فساد پھیلانے اور موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے کی سعی کرتا رہا، چنانچہ جادوگروں کو جمع کر کے ان کا مقابلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کرایا تاکہ موسیٰ علیہ السلام کو جھوٹا ثابت کیا جا سکے۔

[24] اپنی قوم کو یا قتال و محاربے کے لیے اپنے لشکروں کو یا جادوگروں کو مقابلے کے لیے جمع کیا اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی ربوبیتِ اعلیٰ کا اعلان کیا۔

فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ﴿25﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ

تب اللہ نے اسے پکڑ لیا آخرت اور دنیا کے عذاب میں﴿25﴾ بے شک اس میں اس کے لیے عبرت ہے جو

يَّخْشٰى ﴿26﴾ ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۚ بَنٰىهَا ﴿27﴾ رَفَعَ

ڈرتا ہے﴿26﴾ کیا تمھاری (دوبارہ) پیدائش زیادہ مشکل ہے یا آسمان کی؟ جسے اسی نے بنایا ہے﴿27﴾ اس نے آسمان

سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿28﴾ وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿29﴾

کی چھت بلند کی پھر اسے ٹھیک ٹھاک کیا﴿28﴾ اور اس کی رات کو تاریک اور اس کے دن کو روشن بنایا﴿29﴾

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿30﴾

اور اس کے بعد زمین کو بچھایا﴿30﴾

[25] اللہ تعالیٰ نے اس کی ایسی گرفت فرمائی کہ اسے دنیا میں آئندہ آنے والے مُتَمَرِّدِیْن (سرکشوں) کے لیے نشان عبرت بنا دیا اور قیامت کا عذاب اس کے علاوہ ہے جو اسے وہاں ملے گا۔

[26] اس میں نبیٔ اکرم ﷺ کے لیے تسلی اور کفار مکہ کو تنبیہ ہے کہ اگر انھوں نے گزشتہ لوگوں کے واقعات سے عبرت نہ پکڑی تو ان کا انجام بھی فرعون کی طرح ہو سکتا ہے۔

[27] یہ کفار مکہ کو خطاب ہے اور مقصود زجر و توبیخ ہے کہ جو اللہ اتنے بڑے آسمانوں اور ان کے عجائبات کو پیدا کر سکتا ہے، اس کے لیے تمھیں دوبارہ پیدا کرنا کون سا مشکل کام ہے؟ کیا تمھیں دوبارہ پیدا کرنا آسمان کے بنانے سے زیادہ مشکل ہے؟

[28] سَمْك بمعنی ''چھت۔'' ﴿فَسَوّٰىهَا﴾ ''پھر ٹھیک ٹھاک کیا اس کو۔'' ٹھیک ٹھاک کرنے کا مطلب، اسے ایسی شکل و صورت میں ڈھالنا ہے جس میں کوئی تفاوت، کجی، شگاف اور خلل باقی نہ رہے۔

[29] ﴿وَاَغْطَشَ﴾ (ڈھانکا) بمعنی أَظْلَمَ (تاریک کیا) اور ﴿وَاَخْرَجَ﴾ (نکالا) بمعنی أَبْرَزَ (ظاہر کیا) ہے۔ اور نَهَارَهَا کی جگہ ﴿ضُحٰىهَا﴾ اس لیے کہا کہ چاشت کا وقت سب سے اچھا اور عمدہ ہے۔ مطلب ہے کہ رات کو تاریک اور دن کو سورج کے ذریعے سے روشن بنایا۔

[30] خَلْق (پیدائش) اور چیز ہے اور دَحْو (ہموار کرنا یا بچھانا یا پھیلانا) اور چیز ہے۔

أَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا ﴿31﴾ وَالْجِبَالَ أَرْسٰهَا ﴿32﴾

اس میں سے اس کا پانی اور اس کا چارا نکالا ﴿31﴾ اور پہاڑوں کو مضبوط گاڑ دیا ﴿32﴾

مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿33﴾ فَإِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿34﴾

(یہ سب) تمھارے اور تمھارے جانوروں کے فائدے کے لیے ہیں ﴿33﴾ پھر جب بڑی آفت (قیامت) آ جائیگی ﴿34﴾

يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿35﴾

اس دن انسان یاد کرے گا جو اس نے کوشش کی ہوگی ﴿35﴾

زمین کی تخلیق آسمان سے پہلے ہوئی:

زمین کی تخلیق آسمان سے پہلے ہوئی ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْأَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ أَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ أَقْوَاتَهَا فِيْٓ أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ ۭ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝ ثُمَّ اسْتَوٰٓى إِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا ۭ قَالَتَآ أَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ﴾ ”آپ کہہ دیجیے: کیا تم واقعی اس ذات کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دنوں میں پیدا کیا اور تم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو؟ وہ تو جہانوں کا رب ہے۔ اور اس نے اس (زمین) میں اس کے اوپر مضبوط پہاڑ بنائے اور اس میں برکتیں رکھیں اور اس میں غذاؤں کا (ٹھیک) اندازہ رکھا، (یہ کام) چار دنوں میں (ہوا) پوچھنے والوں کے لیے ٹھیک (جواب) ہو گیا، پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جبکہ وہ دھواں تھا، تب اللہ نے اس سے اور زمین سے کہا: تم دونوں خوشی یا ناخوشی سے آؤ تو ان دونوں نے کہا: ہم دونوں بخوشی حاضر ہیں۔“[1]

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ذکر کیا گیا ہے کہ ﴿ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِيْ سِتَّةِ أَيَّامٍ ﴾ ”اللہ نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا۔“[2]

---

① حٰمٓ السجدة 41:9-11 ② الأعراف 7:54 و یونس 10:3 و ھود 11:7 و الفرقان 25:59

وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ﴿36﴾

اور دوزخ ہر دیکھنے والے شخص کے سامنے (ظاہر) کر دی جائے گی ﴿36﴾

ان آیات میں اس کی کچھ تفصیل بیان کی گئی ہے۔ فرمایا: ﴿ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ ﴾ ''زمین کو دو دنوں میں پیدا کیا۔'' ان دو دنوں سے مراد ہیں، یَوْمُ الْأَحَدِ (اتوار) اور یَوْمُ الْاِثْنَیْنِ (پیر)۔ یہاں سورۃ النازعات کی آیت میں کہا گیا ہے: ﴿ وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴾ ''اور اس کے بعد زمین کو بچھایا۔'' جس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ زمین کو آسمان کے بعد بنایا گیا ہے جبکہ مذکورہ سورۃ حمٓ السجدہ کی آیات میں زمین کی تخلیق کا ذکر آسمان کی تخلیق سے پہلے کیا گیا ہے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا (اسے بچھایا، پھیلایا یا ہموار نہیں کیا بلکہ صرف اس کا مادہ پیدا کیا)، پھر آسمان کو پیدا کیا اور دو دن میں اس کو برابر کیا (اس کے طبقات مرتب کیے) اس کے بعد زمین کو پھیلایا۔ اور اس کا پھیلانا یہ ہے کہ اس میں سے پانی نکالا، چارہ اور خوراک پیدا کی، پہاڑوں، اونٹوں (جانوروں)، ٹیلوں اور جو جو ان کے بیچ میں ہیں، سب کو پیدا کیا۔[1] پس واضح ہوا کہ خَلق (پیدائش) اور چیز ہے اور دَحْو (ہموار کرنا، بچھانا یا پھیلانا) اور چیز ہے۔ زمین کی تخلیق آسمان سے پہلے ہوئی ہے لیکن اس کو ہموار آسمان کی پیدائش کے بعد کیا گیا ہے اور یہاں (سورۃ النازعات کی آیت میں) اسی حقیقت کا بیان ہے۔ اور ہموار کرنے، بچھانے یا پھیلانے کا مطلب ہے کہ زمین کو رہائش کے قابل بنانے کے لیے جن جن چیزوں کی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ نے ان کا اہتمام فرمایا، مثلاً: زمین سے پانی نکالا، اس میں پانی کے ذخائر رکھے، چارہ اور خوراک پیدا کی، پہاڑوں کو میخوں کی طرح مضبوط گاڑ دیا تاکہ زمین نہ ہلے۔ جیسا کہ یہاں بھی یہی بیان ہے۔

[36] کافروں کے سامنے کر دی جائے گی تاکہ وہ دیکھ لیں کہ اب ان کا دائمی ٹھکانا جہنم ہے۔

---

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب سورۃ حمٓ السجدہ

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿37﴾ وَ اٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ﴿38﴾ فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ

لیکن پھر جس نے سرکشی کی ﴿37﴾ اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی ﴿38﴾ تو بے شک دوزخ ہی اس کا

الْمَاْوٰى ﴿39﴾ وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿40﴾

ٹھکانا ہے ﴿39﴾ لیکن جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا اور اپنے نفس کو خواہش سے روکا ﴿40﴾

فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰى ﴿41﴾ یَسْــٴَـلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ

تو بے شک جنت ہی (اس کا) ٹھکانا ہے ﴿41﴾ (اے نبی!) کافر آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ وہ

مُرْسٰىهَا ﴿42﴾ فِیْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿43﴾ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ﴿44﴾

کب واقع ہوگی؟ ﴿42﴾ آپ کو اس کے بیان کرنے سے کیا غرض؟ ﴿43﴾ اس (کے علم) کی انتہا تو آپکے رب ہی کے پاس ہے ﴿44﴾

بعض کہتے ہیں کہ مومن اور کافر دونوں ہی اسے دیکھیں گے، مومن اسے دیکھ کر اللہ تعالیٰ کا شکر کریں گے کہ اس نے ایمان اور اعمال صالحہ کی بدولت انھیں اس سے بچا لیا، اور کافر جو پہلے ہی خوف و دہشت میں مبتلا ہوں گے، اسے دیکھ کر ان کے غم و حسرت میں اور اضافہ ہو جائے گا۔

[37] کفر و معصیت میں حد سے تجاوز کیا ہوگا۔

[38] دنیا ہی کو سب کچھ سمجھا ہوگا اور آخرت کے لیے کوئی تیاری نہیں کی ہوگی۔

[39] اس کے علاوہ اس کا کوئی ٹھکانا نہیں ہوگا جہاں وہ اس سے بچ کر پناہ لے لے۔

[40] کہ اگر میں نے گناہ اور اللہ کی نافرمانی کی تو مجھے اللہ تعالیٰ سے بچانے والا کوئی نہیں ہو گا، اس لیے وہ گناہوں سے اجتناب کرتا رہا۔ ﴿وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى﴾ ”اور اس نے روکا نفس کو خواہش سے“، یعنی نفس کو ان معاصی اور محارم کے ارتکاب سے روکتا رہا جن کی طرف نفس کا میلان ہوتا تھا۔

[41] جہاں وہ قیام پذیر بلکہ اللہ تعالیٰ کا مہمان ہوگا۔

[42] قیامت کب واقع اور قائم ہوگی؟ جس طرح کشتی اپنے آخری مقام پر پہنچ کر لنگر انداز ہوتی ہے اسی طرح قیامت کے وقوع کا صحیح وقت کیا ہے؟

[43] آپ کو اس کے ذکر اور اس کے وقوع کے علم سے کیا تعلق؟ جب آپ کو اس کا یقینی علم دیا

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰهَا ﴿45﴾ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ

آپ تو صرف ہر اس شخص کو ڈراتے ہیں جو اس سے ڈرے ﴿45﴾ جس روز وہ قیامت کو دیکھیں گے تو سمجھیں گے کہ گویا

يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰهَا ﴿46﴾

ع 2 20 4

وہ دنیا میں بس ایک شام یا صبح ہی ٹھہرے ہیں ﴿46﴾

ہی نہیں گیا ہے تو یہ لوگ کیوں اس کی بابت آپ سے پوچھتے ہیں؟ اسی لیے آگے واضح فرما دیا کہ اس کا یقینی علم تو صرف اللہ ہی کے پاس ہے۔

[45] آپ کا کام صرف انذار (ڈرانا) ہے، نہ کہ غیب کی خبریں دینا جن میں قیامت کا علم بھی ہے جو اللہ تعالیٰ نے کسی کو بھی نہیں دیا ہے۔ ﴿ مَنْ يَّخْشٰهَا ﴾ (اس کو جو ڈرتا ہے اس سے) اس لیے کہا کہ انذار و تبلیغ سے اصل فائدہ وہی اٹھاتے ہیں جن کے دلوں میں آخرت کے حساب کتاب کا خوف ہوتا ہے، ورنہ انذار و تبلیغ کا حکم تو ہر ایک کے لیے ہے۔

[46] ﴿ عَشِيَّةً ﴾ ظہر سے لے کر غروبِ شمس تک اور ضُحی طلوعِ شمس سے نصف النہار تک کے لیے بولا جاتا ہے، یعنی جب کافر جہنم کا عذاب دیکھیں گے تو دنیا کی عیش و عشرت اور اس کے مزے سب بھول جائیں گے اور انھیں ایسا محسوس ہوگا کہ وہ دنیا میں پورا ایک دن بھی نہیں رہے۔ دن کا پہلا حصہ یا دن کا آخری حصہ ہی صرف دنیا میں رہے ہیں، یعنی دنیا کی زندگی انھیں اتنی قلیل معلوم ہوگی۔

سُوْرَةُ عَبَسَ

سُوْرَةُ عَبَسَ (80) مَكِّيَّةٌ (24) — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — رُكُوْعُهَا 1 اٰيَاتُهَا 42

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے
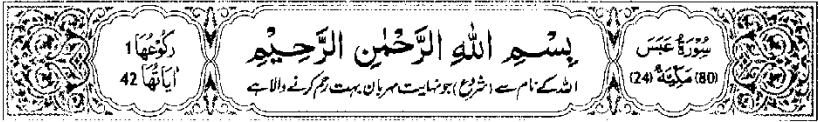
عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ① اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ② وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ

(اس نے) ماتھے پہ شکن ڈالے اور منہ پھیر لیا ① (اس لیے) کہ اس کے پاس ایک نابینا آیا ② اور (اے نبی!) آپ

يَزَّكّٰٓى ③ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ④ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ⑤

کو کیا خبر شاید کہ وہ پاکیزگی حاصل کرتا ③ یا نصیحت سنتا تو اسے نصیحت نفع دیتی ④ لیکن جو شخص پروا نہیں کرتا ہے ⑤

فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ⑥

تو آپ اس کی فکر میں ہیں ⑥

اس سورت کی شان نزول میں تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اشرافِ قریش بیٹھے گفتگو کر رہے تھے کہ اچانک ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ، جو نابینا تھے، تشریف لے آئے اور آ کر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کی باتیں پوچھنے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کچھ ناگواری محسوس کی اور کچھ بے توجہی سی برتی، چنانچہ تنبیہ کے طور پر ان آیات کا نزول ہوا۔[1]

[1] ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کی آمد سے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر جو ناگواری کے اثرات ظاہر ہوئے، اسے ﴿عَبَسَ﴾ سے اور بے توجہی کو ﴿وَتَوَلّٰى﴾ سے تعبیر فرمایا۔

[3] وہ نابینا آپ سے دینی رہنمائی حاصل کر کے عمل صالح کرتا جس سے اس کا اخلاق و کردار سنور جاتا، اس کے باطن کی اصلاح ہو جاتی اور آپ کی نصیحت سننے سے اس کو فائدہ ہوتا۔

[5] ایمان سے اور اس علم سے جو آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے۔ یا دوسرا ترجمہ ہے "جو صاحب ثروت وغنی ہے۔"

[6] اس میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید توجہ دلائی گئی ہے کہ مُخلِصِین کو چھوڑ کر مُعرِضِین (منہ

---

① جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة عبس، حديث: 3331

وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ⑦ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ⑧ وَهُوَ

حالانکہ اگر وہ نہیں سنورتا تو آپ پر کوئی گناہ نہیں⑦ اور جو شخص آپ کے پاس دوڑتا ہوا آیا⑧ اور وہ

يَخْشٰى ⑨ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ⑩ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ⑪

ڈرتا بھی ہے⑨ تو آپ اس سے بے رخی برتتے ہیں⑩ ہرگز نہیں! بے شک یہ (صحیفہ) تو ایک نصیحت ہے⑪

موڑنے والوں) کی طرف توجہ مبذول رکھنا صحیح بات نہیں ہے۔

[7] کیونکہ آپ کا کام تو صرف تبلیغ ہے، اس لیے اس قسم کے کفار کے پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

[8] اس بات کا طالب بن کر کہ آپ خیر کی طرف اس کی رہنمائی کریں اور اسے وعظ و نصیحت سے نوازیں۔

[9] اللہ تعالیٰ کا خوف بھی اس کے دل میں ہے جس کی وجہ سے یہ امید ہے کہ آپ کی باتیں اس کے لیے مفید ہوں گی اور وہ ان کو اپنائے گا اور ان پر عمل کرے گا۔

[10] ایسے لوگوں کی تو قدر افزائی کی ضرورت ہے، نہ کہ ان سے غفلت اور بے رخی برتنے کی۔

دعوت و تبلیغ میں عموم:

ان آیات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ دعوت و تبلیغ میں کسی کو خاص نہیں کرنا چاہیے بلکہ اصحابِ حیثیت اور بے حیثیت، امیر اور غریب، آقا اور غلام، مرد اور عورت، چھوٹے اور بڑے سب کو یکساں حیثیت دی جائے اور سب کو مشترکہ خطاب کیا جائے، اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اپنی حکمتِ بالغہ کے تحت ہدایت سے نواز دے گا۔[1]

[11] غریب سے یہ اعراض اور اصحاب حیثیت کی طرف خصوصی توجہ، یہ ٹھیک نہیں۔ مطلب ہے کہ آئندہ اس کا اعادہ نہ ہو۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر، عبس 10:80

فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ⑫ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ⑬ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ ⑭

چنانچہ جو چاہے اسے یاد کرے⑫ (وہ) قابل احترام صحیفوں میں (محفوظ) ہے⑬ جو بلند و بالا اور پاکیزہ ہیں⑭

بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ⑮ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ⑯

ایسے لکھنے والوں کے ہاتھوں میں ہیں⑮ جو معزز اور نیکوکار ہیں⑯

[12] جو اس میں رغبت کرے، وہ اس سے نصیحت حاصل کرے، اسے یاد کرے اور اس کے موجبات پر عمل کرے۔ اور جو اس سے اعراض کرے اور بے رخی برتے، جیسے اشرافِ قریش نے کیا تو ان کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

[13] لوح محفوظ میں کیونکہ وہیں سے یہ قرآن اترتا ہے۔ یا مطلب ہے کہ یہ صحیفے اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے محترم ہیں کیونکہ یہ علم و حکمت سے پُر ہیں۔

[14] ﴿مَّرْفُوْعَةٍ﴾ ''بلند مرتبہ'' اللہ تعالیٰ کے ہاں رفیع القدر ہیں یا شبہات اور تناقض سے بلند ہیں۔ ﴿مُّطَهَّرَةٍۭ﴾ ''پاکیزہ'' وہ بالکل پاک ہیں کیونکہ انھیں پاک لوگوں (فرشتوں) کے سوا کوئی چھوتا ہی نہیں ہے۔ یا کمی بیشی سے پاک ہیں۔

[15] ﴿سَفَرَةٍ﴾ سَافِر (لکھنے والا) کی جمع ہے، یہ سفارت سے ہے۔ مراد یہاں وہ فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی وحی اس کے رسولوں تک پہنچاتے ہیں، یعنی اللہ اور اس کے رسول کے درمیان سفارت کا کام کرتے ہیں۔ یہ قرآن ایسے سفیروں کے ہاتھوں میں ہے جو اسے لوح محفوظ سے نقل کرتے ہیں۔

[16] خُلق کے اعتبار سے وہ کریم، یعنی شریف اور بزرگ ہیں اور افعال کے اعتبار سے وہ نیکوکار اور پاکباز ہیں۔

حاملِ قرآن کا ﴿كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ﴾ کا مصداق ہونا:

یہاں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حاملِ قرآن (حافظ اور عالم) کو بھی اخلاق و کردار اور افعال و اطوار میں ﴿كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ﴾ کا مصداق ہونا چاہیے۔[1]

① تفسیر ابن کثیر، عبس 16:80

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ ⑰ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ⑱

ہلاک کیا جائے انسان، کس قدر ناشکرا ہے! ⑰ (اللہ نے) اسے کس چیز سے پیدا کیا؟ ⑱

مِنْ نُّطْفَةٍ ۭ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ⑲

ایک (حقیر) نطفے سے، اسے پیدا کیا، پھر اس کا اس نے اندازہ لگایا ⑲

قرآن کی قراءت کا اجر:

حدیث میں بھی ﴿سَفَرَةٍ﴾ اور ﴿كِرَامٍ بَرَرَةٍ﴾ کا لفظ فرشتوں کے لیے استعمال ہوا ہے۔
نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ، وَالَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيهِ، وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ، لَهُ أَجْرَانِ»

''قرآن (صحت کے ساتھ پڑھنے) میں ماہر (قیامت والے دن) بزرگ، نیکو کار فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور جو قرآن اٹک اٹک کر پڑھتا ہے اور اس کے پڑھنے میں اسے مشقت ہوتی ہے (ماہرین کی طرح سہولت اور روانی سے نہیں پڑھتا) اس کے لیے دوگنا اجر ہے۔''[1]

[17] اس سے وہ انسان مراد ہے جو بغیر کسی سند اور دلیل کے قیامت کی تکذیب کرتا ہے۔ ﴿قُتِلَ﴾ بمعنی لُعِنَ (لعنت کیا گیا) اور ﴿مَآ اَكْفَرَهٗ﴾ فعل تعجب ہے ''کس قدر ناشکرا ہے!'' آگے اس انسان کَفُور (ناشکرے) کو غور وفکر کی دعوت دی جارہی ہے کہ شاید وہ اپنے کفر سے باز آجائے۔

[19] جس کی پیدائش ایسے حقیر قطرۂ آب سے ہوئی ہے، کیا اسے تکبر زیب دیتا ہے؟ ﴿فَقَدَّرَهٗ﴾ ''پھر اس کا اس نے اندازہ لگایا۔'' اس کا مطلب ہے کہ اس کے مصالح نفس اسے

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب سورة عبس، حديث: 4937 وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل الماهر بالقرآن......، حديث: 798

ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ⑳ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ㉑ ثُمَّ اِذَا شَآءَ

پھر اس کے لیے راہ آسان کر دی⑳ پھر اسے موت دی اور قبر میں پہنچایا㉑ پھر وہ جب چاہے گا

اَنْشَرَهٗ ㉒ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ㉓ فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ

اسے (دوبارہ) زندہ کرے گا㉒ ہرگز نہیں! اس نے اب تک اللہ کے حکم کی بجا آوری نہیں کی㉓ چنانچہ انسان کو چاہیے

اِلٰى طَعَامِهٖٓ ㉔ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ㉕ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ

کہ اپنے کھانے کی طرف دیکھے㉔ بے شک ہم نے خوب مینہ برسایا㉕ پھر ہم نے زمین کو اچھی

شَقًّا ㉖ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ㉗ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ㉘ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ㉙

طرح پھاڑا㉖ پھر ہم نے اس میں سے اناج اگایا㉗ اور انگور اور سبزیاں㉘ اور زیتون اور کھجوریں㉙

وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ㉚ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ㉛ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ㉜

اور گھنے باغات㉚ اور میوے اور چارا㉛ تمھارے اور تمھارے جانوروں کیلئے سامانِ زندگی㉜

مہیا کیے، اس کو دو ہاتھ، دو پیر، دو آنکھیں اور دیگر آلات وحواس عطا کیے۔

[20] خیر اور شر کے راستے اس کے لیے واضح کر دیے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد ماں کے پیٹ سے نکلنے کا راستہ ہے لیکن پہلا مفہوم زیادہ صحیح ہے۔

[21] موت کے بعد اسے قبر میں دفنانے کا حکم دیا تاکہ اس کا احترام برقرار رہے، ورنہ درندے اور پرندے اس کی لاش کو نوچ نوچ کر کھاتے جس سے اس کی بے توقیری ہوتی۔

[23] معاملہ اس طرح نہیں ہے جس طرح یہ کافر کہتا ہے۔

[24] کہ اسے اللہ تعالیٰ نے کس طرح پیدا کیا، جو اس کی زندگی کا سبب ہے، اور کس طرح اس کے لیے اسبابِ معاش مہیا کیے تاکہ وہ ان کے ذریعے سے سعادتِ اخروی حاصل کر سکے۔

[31] ﴿ وَّاَبًّا ﴾ وہ گھاس، چارہ جو خودرو ہو اور جسے جانور کھاتے ہیں۔

[32] ﴿ مَّتَاعًا ﴾ (فائدہ) مفعول لہ ہے ﴿ فَاَنْۢبَتْنَا ﴾ (اگایا ہم نے) کا۔ یا فعل محذوف کا مصدر ہے، مَتَّعَكُمْ مَتَاعًا (فائدہ دیا اس نے تمھیں فائدہ دینا)۔

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿33﴾ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿34﴾ وَاُمِّهٖ

پھر جب کان بہرے کر دینے والی سخت آواز آئے گی ﴿33﴾ اس دن آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا ﴿34﴾ اور اپنی ماں

وَاَبِيْهِ ﴿35﴾ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ﴿36﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ

اور اپنے باپ سے ﴿35﴾ اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے (بھی) ﴿36﴾ ان میں سے ہر شخص کا اس دن

شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴿37﴾ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿38﴾

ایسا حال ہوگا جو اسے (دوسروں سے) بے پروا کر دے گا ﴿37﴾ اس دن کئی چہرے چمکتے ہوں گے ﴿38﴾

[33] قیامت کو ﴿الصَّآخَّةُ﴾ (کان بہرے کر دینے والی سخت آواز) اس لیے کہا کہ وہ ایک نہایت سخت چیخ کے ساتھ واقع ہوگی جو کانوں کو بہرا کر دے گی۔

[37] یا اپنے اقربا اور احباب سے بے نیاز اور بے پروا کر دے گا۔

یومِ حشر کو سب برہنہ اُٹھیں گے:

حدیث میں آتا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

«يُبْعَثُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلاً»

''قیامت کے دن لوگ ننگے بدن، ننگے پیر (پیدل) اور غیر مختون حالت میں اٹھائے جائیں گے۔''

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: «فَكَيْفَ بِالْعَوْرَاتِ؟» ''(مرد وزن کے) ستروں کا کیا بنے گا (کیا اس طرح شرم گاہوں پر نظر نہیں پڑے گی)؟''

نبی ﷺ نے اس کے جواب میں یہی آیت تلاوت فرمائی: ﴿لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ﴾ ''ان میں سے ہر شخص کا اس دن ایسا حال ہوگا جو اسے دوسرے سے بے پرواہ کر دے گا۔''[1] اس کی وجہ بعض کے نزدیک یہ ہے کہ انسان اپنے گھر والوں سے اس لیے بھاگے گا تاکہ

[1] سنن النسائی، الجنائز، باب البعث، حدیث: 2085 و جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ عبس، حدیث: 3332

ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿39﴾ وَوُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿40﴾

ہنستے مسکراتے، ہشاش بشاش ﴿39﴾ اور کئی چہروں پر اس دن خاک اڑ رہی ہو گی ﴿40﴾

تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿41﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿42﴾

ان پر سیاہی چھائی ہو گی ﴿41﴾ یہی لوگ ہیں کافر فاجر ﴿42﴾

وہ اس کی وہ تکلیف اور شدت نہ دیکھیں جس میں وہ مبتلا ہو گا۔ بعض کہتے ہیں، اس لیے کہ انھیں علم ہو گا کہ وہ کسی کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے اور ان کے کچھ کام نہیں آ سکتے۔ ①

[39] یہ اہل ایمان کے چہرے ہوں گے جنھیں ان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھ میں ملیں گے جس سے انھیں اپنی اخروی سعادت و کامیابی کا یقین ہو جائے گا اور اس سے ان کے چہرے خوشی سے تمتما رہے ہوں گے۔

[41] ذلت اور معائنۂ عذاب سے ان کے چہرے غبار آلود، کدورت زدہ اور سیاہ ہوں گے، جیسے محزون اور نہایت غمگین آدمی کا چہرہ ہوتا ہے۔

[42] اللہ کا، رسولوں کا اور قیامت کا انکار کرنے والے بھی تھے اور بدکردار و بداطوار بھی۔
اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ

② فتح القدیر، عبس 37:80

سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ
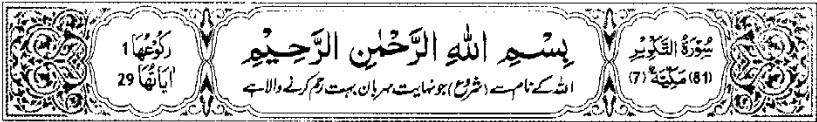
اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ① وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ②

جب سورج لپیٹ دیا جائے گا ① اور جب تارے بے نور ہو جائیں گے ②

اس سورت میں بطور خاص قیامت کی منظر کشی کی گئی ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: «مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ كَأَنَّهُ رَأْىُ عَيْنٍ فَلْيَقْرَأْ :

﴿ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴾ وَ﴿ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ﴾ وَ﴿ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴾

"جس کو یہ بات پسند ہے کہ وہ قیامت کو ایسے دیکھے جیسے آنکھ سے دیکھنا ہوتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ ﴿ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴾ ، ﴿ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ﴾ اور ﴿ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴾ (غور اور توجہ سے) پڑھے۔"[1]

چاند اور سورج کو لپیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا:

[1] جس طرح سر پر عمامہ لپیٹا جاتا ہے اس طرح سورج کے وجود کو لپیٹ کر پھینک دیا جائے گا جس سے اس کی روشنی از خود ختم ہو جائے گی۔ حدیث میں ہے:

«اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ مُكَوَّرَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» "قیامت والے دن چاند اور سورج لپیٹ دیے جائیں گے۔"[2]

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ لپیٹ کر ان دونوں کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا تاکہ مشرکین مزید ذلیل و خوار ہوں جو ان کی عبادت کرتے تھے۔[3]

[2] جھڑ کر گر جائیں گے، مطلب ہے آسمان پر ان کا وجود ہی نہیں رہے گا۔ اور بعض نے ترجمہ

① جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة إذا الشمس كورت، حديث : 3333 و مسند أحمد :2/27-36-100 و سلسلة الأحاديث الصحيحة للألبانی، حديث : 1081

② صحيح البخاری، بدء الخلق، باب صفة الشمس والقمر، حديث : 3200

③ فتح الباری : 346/6

وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ③ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ④ وَاِذَا الْوُحُوْشُ

اور جب پہاڑ چلائے جائینگے ③ اور جب دس ماہ کی حاملہ اونٹنیاں بیکار چھوڑ دی جائیں گی ④ اور جب وحشی جانور

حُشِرَتْ ⑤ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ⑥ وَاِذَا النُّفُوْسُ

اکٹھے کیے جائیں گے ⑤ اور جب سمندر بھڑکا دیے جائیں گے ⑥ اور جب روحیں (جسموں سے)

زُوِّجَتْ ⑦ وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ⑧

ملا دی جائیں گی ⑦ اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا ⑧

کیا ہے ''بے نور ہو جائیں گے۔''

[3] انھیں زمین سے اکھیڑ کر ہواؤں میں چلا دیا جائے گا اور وہ دھنکی ہوئی روئی کی طرح اڑیں گے۔ قرآن مجید میں پہاڑوں کی مختلف حالتیں بیان کی گئی ہیں۔ اس کی مکمل تفصیل کے لیے سورۃ النبأ، آیت:20 کی تفسیر دیکھیے۔

[4] ﴿اَلْعِشَارُ﴾ عَشْرَاء کی جمع ہے، حمل والیاں، یعنی گابھن اونٹنیاں۔ گابھن اونٹنیاں جب ان کا حمل دس مہینوں کا ہو جاتا تو عربوں میں یہ بہت نفیس اور قیمتی سمجھی جاتی تھیں۔ جب قیامت برپا ہوگی تو ایسا ہولناک منظر ہوگا کہ اگر کسی کے پاس اس قسم کی قیمتی اونٹنیاں بھی ہوں گی تو وہ ان کی بھی پروا نہیں کرے گا۔

[5] انھیں بھی قیامت والے دن جمع کیا جائے گا۔

[6] ان میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے آگ بھڑک اٹھے گی۔

[7] اس کے کئی مفہوم بیان کیے گئے ہیں۔ ایک مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر انسان کو اس کے ہم مذہب و ہم مشرب کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ مومن کو مومنوں کے ساتھ اور بد کو بدوں کے ساتھ، یہودی کو یہودیوں کے ساتھ اور عیسائی کو عیسائیوں کے ساتھ۔ وَعَلٰی هٰذَا الْقِیَاسِ. اور دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب روحیں جسموں کے ساتھ جوڑ دی جائیں گی، یعنی قیامت کے روز جب لوگ زندہ ہو کر زمین سے باہر نکل آئیں گے تو ایسا تب ہی ہوگا جب روحیں جسموں

بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ⑨ وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ⑩ وَاِذَا السَّمَآءُ

اسے کس گناہ کی وجہ سے قتل کیا گیا؟⑨ اور جب اعمال نامے کھولے جائیں گے⑩ اور جب آسمان کی

كُشِطَتْ ⑪ وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ⑫ وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ⑬

کھال اتار دی جائے گی⑪ اور جب دوزخ بھڑکائی جائے گی⑫ اور جب جنت قریب لائی جائے گی⑬

میں عود کر آئیں گی۔ ہم نے ترجمہ اسی مفہوم کے مطابق کیا ہے۔

[9] اس طرح دراصل قاتل کو سرزنش کی جائے گی کیونکہ اصل مجرم تو وہی ہوگا، نہ کہ مَوْءُوْدَة (درگور کی ہوئی) جس سے بظاہر سوال ہوگا۔

زندہ درگور کرنا کبیرہ گناہ ہے:

زندہ درگور کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الأُمَّهَاتِ، وَوَأْدَالْبَنَاتِ، وَمَنَعَ وَهَاتِ وَكَرِهَ لَكُمْ قِيلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةَ الْمَالِ»

”بے شک اللہ نے تم پر ماں کی نافرمانی، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا، دوسرے کے حقوق ادا نہ کرنا اور بس اپنے حقوق کا مطالبہ کرنا حرام قرار دیا ہے اور تمھارے لیے بری اور فضول باتوں، کثرتِ سوال اور دولت کے ضیاع کو ناپسند کیا ہے۔“[1]

[10] یا کھول دیے جائیں گے۔ موت کے وقت یہ صحیفے لپیٹ دیے جاتے ہیں، پھر قیامت والے دن حساب کے لیے کھول دیے جائیں گے جنھیں ہر شخص دیکھ لے گا بلکہ ہاتھوں میں پکڑا دیے جائیں گے۔

[11] جیسے جانور کی کھال اتار لی جاتی ہے، مطلب اس کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ آسمان کا رنگ بدل جائے گا، جیسے دوسری جگہ کہا گیا ہے: ﴿فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ﴾

---

[1] صحيح البخاري، الاستقراض، باب ما ينهى عن إضاعة المال، حديث:2408

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ﴿14﴾ فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿15﴾ الْجَوَارِ

اس وقت ہر شخص جان لے گا جو کچھ وہ لے کر آیا⑭ چنانچہ میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹنے والے⑮ چلنے والے،

الْكُنَّسِ ﴿16﴾ وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ﴿17﴾ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿18﴾

چھپ جانے والے تاروں کی⑯ اور رات کی جب وہ چلی جاتی ہے⑰ اور صبح کی جب وہ روشن ہوتی ہے⑱

''جب آسمان پھٹ جائے گا تو وہ سرخ چمڑے کی طرح سرخ ہو جائے گا۔''[1] اور بعض نے کہا ہے کہ مطلب آسمانوں کا اپنی جگہ سے ہٹ جانا ہے۔ واللہ اعلم۔[2]

[14] یہ جواب ہے، یعنی جب مذکورہ امور ظہور پذیر ہوں گے، جن میں سے پہلے چھ امور کا تعلق دنیا سے ہے اور دوسرے چھ امور کا آخرت سے، تو اس وقت ہر ایک کے سامنے اس کی حقیقت آ جائے گی۔ ﴿ اَحْضَرَتْ ﴾ (جو کچھ اس نے حاضر کیا) کا مطلب ہے جو کچھ وہ لے کر حاضر ہوا، اچھا یا برا عمل۔

[16,15] اس سے مراد ستارے ہیں۔ ﴿ بِالْخُنَّسِ ﴾ خَنَسَ سے ہے جس کے معنی پیچھے ہٹنے کے ہیں۔ یہ ستارے دن کے وقت اپنے منظر سے پیچھے ہٹ جاتے ہیں اور نظر نہیں آتے۔ یہ زحل، مشتری، مریخ، زہرہ اور عطارد ہیں۔ یہ خاص طور پر سورج کے رخ پر ہوتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ سارے ہی ستارے مراد ہیں کیونکہ سب ہی اپنے غائب ہونے کی جگہ پر غائب ہو جاتے ہیں یا دن کو چھپے رہتے ہیں۔ ﴿ الْجَوَارِ ﴾ ''چلنے والے'' ﴿ الْكُنَّسِ ﴾ ''چھپ جانے والے'' جیسے ہرن اپنے مکان اور مسکن میں چھپ جاتا ہے۔

[17] ﴿ عَسْعَسَ ﴾ اضداد میں سے ہے، یعنی آنے اور جانے دونوں معنوں میں اس کا استعمال ہوتا ہے، تاہم یہاں جانے کے معنی میں ہے۔

[18] جب اس کا ظہور وطلوع ہو جائے یا وہ پھٹ اور نکل آئے۔

---

① الرحمٰن 37:55

② تفسیر القرآن بکلام الرحمن، التکویر 11:81 و أیسر التفاسیر، التکویر 11:81

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿19﴾

بے شک یہ (قرآن) رسول کریم (جبریل) کا قول ہے﴿19﴾

[19] اس لیے کہ وہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آیا ہے۔ مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ یہاں قرآن مجید کو جبریل علیہ السلام کا قول اور سورۃ الحاقہ میں نبی ﷺ کا قول بتلایا گیا ہے، حالانکہ قرآن جبرائیل علیہ السلام کا قول ہے، نہ نبیٔ کریم ﷺ کا قول ہے بلکہ صرف اللہ کا قول (فرمان) ہے۔ لیکن ان کی طرف نسبت کے معنی یہ ہیں کہ جبریل علیہ السلام اللہ کی طرف سے یہ قول لے کر آئے ہیں، اسی طرح نبی ﷺ کی طرف نسبت کرنے کے معنی یہ ہیں کہ آپ اس کی تلاوت کر کے لوگوں کو سناتے ہیں۔ اس سے اہل بدعت کا وہ استدلال باطل ہو جاتا ہے جو وہ اس آیت: ﴿ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴾ ''میں تو (اے مریم!) یقیناً تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا عطا کروں۔''[1] سے کرتے ہیں کہ غیر اللہ بھی (نعوذ باللہ) اللہ کی طرح لوگوں کو اولاد دے سکتے ہیں، اس لیے غیر اللہ سے مدد مانگنا جائز ہے، حالانکہ حضرت جبریل علیہ السلام کا یہ قول اللہ کے نمائندے کے اعتبار سے ہے جس کی وضاحت اگلی آیت ہی سے ہو جاتی ہے کہ جب حضرت مریم علیہا السلام نے اس پر تعجب کا اظہار کیا کہ میرا تو کسی مرد سے کبھی کسی طرح بھی ملاپ نہیں ہوا تو میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا؟ تو حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا ''اسی طرح ہوگا، تیرے رب نے کہا ہے کہ وہ مجھ پر آسان ہے......'' اسی طرح قرآن کریم کو مذکورہ مقامات میں جبریل علیہ السلام کا اور نبی علیہ السلام کا قول قرار دینے کا مطلب بھی یہی ہے کہ یہ دونوں اللہ کے نمائندے ہیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام قرآن لانے والے اور محمد رسول اللہ ﷺ اسے لوگوں تک پہنچانے والے ہیں، نہ یہ کہ قرآن ان کا قول ہے۔ اسی طرح سورۂ مریم میں حضرت جبریل علیہ السلام کا قول ﴿ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴾ بھی اللہ کے نمائندے کے طور پر ہے نہ کہ وہ خود اولاد دینے والے ہیں۔ اگر اہل بدعت کا یہ استدلال صحیح مان لیا جائے تو پھر قرآن کریم بھی اس طرح حضرت جبریل علیہ السلام

[1] مریم 19:19

ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ⑳ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ㉑

جو بڑی قوت والا، عرش والے کے نزدیک بلند مرتبہ ہے⑳ وہاں (آسمانوں میں) اسکی اطاعت کی جاتی ہے، امین

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ㉒ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ㉓

ہے㉑ اور (اے اہل مکہ!) تمھارا ساتھی (محمد) دیوانہ نہیں㉒ یہ (نبی) تو اس (جبریل) کو روشن افق پر دیکھ چکا ہے㉓

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ㉔ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ㉕

اور وہ غیب (کی باتوں) پر بخیل نہیں ہے㉔ اور یہ (قرآن) کسی مردود شیطان کا قول نہیں㉕

کا یا نبیٔ کریم ﷺ کا قول قرار پائے گا حالانکہ ایسا کہنا یا سمجھنا صریحاً باطل ہے۔

[20] جو کام اس کے سپرد کیا جائے اسے پوری قوت سے کرتا ہے۔

[21] فرشتوں کے درمیان اس کی اطاعت کی جاتی ہے۔ وہ فرشتوں کا مرجع اور مطاع ہے، نیز وحی کے سلسلے میں امین ہے۔

[22] یہ خطاب اہل مکہ سے ہے اور صاحب سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں، یعنی تم جو گمان رکھتے ہو کہ تمھارا ہم نسب اور ہم وطن ساتھی (محمد ﷺ) دیوانہ ہے۔ نعوذ باللہ۔ ایسا نہیں ہے، ذرا قرآن پڑھ کر تو دیکھو، کیا کوئی دیوانہ ایسے معارف وحقائق بیان کرسکتا ہے اور گزشتہ قوموں کے صحیح صحیح حالات بتلا سکتا ہے جو اس قرآن میں بیان کیے گئے ہیں؟

[23] رسول اللہ ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کو دو مرتبہ ان کی اصلی حالت میں دیکھا ہے جن میں سے ایک کا یہاں ذکر ہے۔ یہ ابتدائے نبوت کا واقعہ ہے، اس وقت جبرائیل علیہ السلام کے چھ سو پر تھے جنھوں نے آسمان کے کناروں کو بھر دیا تھا۔ دوسری مرتبہ معراج کے موقعے پر دیکھا۔

[24] یہ نبیٔ اکرم ﷺ کی بابت وضاحت کی جارہی ہے کہ آپ کو جن باتوں کی اطلاع دی جاتی ہے، جو احکام و فرائض آپ کو بتلائے جاتے ہیں، ان میں سے کوئی بات آپ اپنے پاس نہیں رکھتے بلکہ فریضۂ رسالت کی ذمے داریوں کا احساس کرتے ہوئے ہر بات اور ہر حکم لوگوں تک پہنچا دیتے ہیں۔

[25] جس طرح نجومیوں کے پاس شیطان آتے ہیں اور آسمانوں کی بعض چوری چھپی باتیں

فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴿26﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿27﴾

پھر تم کدھر چلے جا رہے ہو ﴿26﴾ یہ تو سب جہانوں کے لیے نصیحت ہے ﴿27﴾

لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ﴿28﴾

اس کے لیے جو تم میں سے سیدھی راہ پر چلنا چاہے ﴿28﴾

ادھوری شکل میں انھیں بتلا دیتے ہیں، قرآن مجید ایسا نہیں ہے بلکہ یہ کلام الٰہی ہے جو جبریل امین کے ذریعے سے بلا کم و کاست ہمارے پیغمبر کے پاس آیا ہے، اس میں شیطان کی ذرا سی بھی دخل اندازی نہیں ہے۔

[26] کیوں اس سے اعراض کرتے ہو؟ اور اس کی اطاعت نہیں کرتے؟

نبی ﷺ کا تا قیامت باقی رہنے والا معجزہ:

[27] یہ قرآن کریم کے بارے میں ہے جو نبیٔ اکرم ﷺ کا قیامت تک باقی رہنے والا معجزہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ إِلَّا أُعْطِيَ مِنَ الْآيَاتِ مَا مِثْلُه آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ، وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوْتِيتُهُ وَحْيًا أَوْحَاهُ اللهُ إِلَيَّ فَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

”جتنے انبیاء تشریف لائے ہیں ان میں سے ہر ایک کو ایسے ایسے معجزات دیے گئے جنھیں دیکھ کر لوگ ایمان لائے (بعد کے زمانے میں ان کا کوئی اثر نہ رہا) مجھے قرآن کی شکل میں معجزہ دیا گیا جو اللہ نے میری طرف وحی کیا (اس کا اثر قیامت تک باقی رہے گا)، اس لیے مجھے اُمید ہے کہ قیامت کے دن میرے پیروکار بہ نسبت دیگر انبیاء کے زیادہ ہوں گے۔“[1]

[1] صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب كيف نزل الوحي؟ وأول ما نزل، حديث: 4981 و الاعتصام بالكتاب والسنة، باب قول النبي ﷺ: (بعثت بجوامع الكلم)، حديث: 7274

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿29﴾

اور اللہ رب العالمین کے چاہے بغیر تم (کچھ بھی) نہیں چاہ سکتے ﴿29﴾

نبی ﷺ کی رسالت کو تسلیم کیے بغیر نجات اخروی ناممکن ہے:

اخروی نجات کے لیے نبی ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«وَالَّذِی نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَا يَسْمَعُ بِی أَحَدٌ مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ يَهُودِيٌّ وَّلَا نَصْرَانِيٌّ، ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِی أُرْسِلْتُ بِهِ، إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ»

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے! اس امت میں سے جو یہودی یا عیسائی میرے بارے میں سنے اور اس پر، جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں، ایمان لائے بغیر مر جائے تو وہ جہنمی ہوگا۔''[1]

[29] تمھاری چاہت اللہ تعالیٰ کی توفیق پر منحصر ہے جب تک تمھاری چاہت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی توفیق بھی شامل نہیں ہوگی، اس وقت تک تم سیدھا راستہ بھی اختیار نہیں کر سکتے۔ یہ وہی مضمون ہے جو آیت ﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ ''(اے نبی!) بے شک جسے آپ چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ ہی جسے چاہے ہدایت دیتا ہے''[2] اور اس قسم کی دیگر آیات میں بیان ہوا ہے، یعنی ہدایت صرف اللہ کے اختیار میں ہے پیغمبر بھی جس کو چاہے ہدایت نہیں دے سکتا۔ وہ صرف ہدایت کے راستے کی نشاندہی کر سکتا ہے اور کرتا ہے لیکن اس پر چلا نہیں سکتا، ہدایت پر چلانا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔

[1] صحیح مسلم، الإیمان، باب وجوب الإیمان برسالة نبینا محمد ﷺ ......، حدیث : 153

[2] القصص 28:56

سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ

سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ (82) مَكِّيَّةٌ (82) — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — رُكُوْعُهَا 1 اٰيَاتُهَا 19

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ① وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ② وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ③

جب آسمان پھٹ جائے گا① اور جب تارے جھڑ جائیں گے② اور جب سمندر پھاڑ دیے جائیں گے③

وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ④ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ⑤

اور جب قبریں اکھیڑ دی جائیں گی④ تو ہر شخص کو اس کا اگلا پچھلا کیا دھرا سب معلوم ہو جائے گا⑤

[1] اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی ہیبت سے پھٹ جائے گا اور فرشتے نیچے اتر آئیں گے۔

[3] مطلب یہ ہے کہ قیامت کے زلزلے سے زمین کا نظام اس طرح تہ و بالا ہو جائے گا کہ سمندر بھی اپنی حدود میں نہیں رہیں گے بلکہ ان کا پانی اپنے کناروں سے نکل کر ہر طرف پھیل جائے گا اور یوں سب کا پانی ایک دوسرے سے مل جائے گا۔ اور اس کے بعد سمندروں کے اس پانی میں آگ بھڑک اُٹھے گی جیسا کہ سورۃ التکویر میں ﴿سُجِّرَتْ﴾ (بھڑکائے جائیں گے) کے لفظ سے اس کا اظہار کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

[4] قبروں سے مردے زندہ ہو کر باہر نکل آئیں گے۔ ﴿بُعْثِرَتْ﴾ اکھیڑ دی جائیں گی، یا ان کی مٹی پلٹ دی جائے گی۔

[5] جب مذکورہ امور واقع ہوں گے تو انسان کو اپنے تمام کیے دھرے کا علم ہو جائے گا جو بھی اچھا یا برا عمل اس نے کیا ہوگا وہ سامنے آجائے گا۔ پیچھے چھوڑے ہوئے عمل سے مراد اپنے پیچھے اپنے کردار و عمل کے اچھے یا برے نمونے ہیں جو دنیا میں وہ چھوڑ آیا اور لوگ ان نمونوں پر عمل کرتے ہیں۔ یہ نمونے اگر اچھے ہیں تو اس کے مرنے کے بعد ان نمونوں پر جو لوگ بھی عمل کریں گے، ان کا ثواب اسے بھی پہنچتا رہے گا اور اگر برے نمونے اپنے پیچھے چھوڑ گیا ہے تو جو جو بھی اسے اپنائے گا، ان کا گناہ بھی اس شخص کو پہنچتا رہے گا جس کی مساعی (کوششوں) سے وہ برا طریقہ یا کام رائج ہوا۔

يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ⑥ الَّذِيْ خَلَقَكَ

اے انسان! تجھے کس چیز نے اپنے رب کریم کی بابت دھوکے میں ڈال رکھا ہے؟⑥ جس نے تجھے پیدا کیا

فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ⑦

پھر تجھے درست کیا اور تجھے معتدل بنایا⑦

[6] کس چیز نے تجھے دھوکے اور فریب میں مبتلا کر دیا کہ تو نے اس رب کے ساتھ کفر کیا جس نے تجھ پر احسان کیا اور تجھے وجود بخشا، تجھے عقل وفہم عطا کی اور اسبابِ حیات تیرے لیے مہیا کیے۔

[7] ﴿خَلَقَكَ﴾ ”تجھے پیدا کیا“ حقیر نطفے سے جبکہ اس سے پہلے تیرا وجود نہیں تھا۔ ﴿فَسَوّٰىكَ﴾ ”تجھے ٹھیک ٹھاک کیا“ یعنی تجھے ایک کامل انسان بنا دیا، تو سنتا ہے، دیکھتا ہے اور عقل وفہم رکھتا ہے۔ یا مطلب ہے، تجھے متساوی الاعضاء والقویٰ بنایا، دونوں ہاتھوں اور پیروں کو برابر برابر بنایا۔ اگر تیرے اعضا میں یہ برابری اور مناسبت نہ ہوتی تو تیرے وجود میں حسن کی بجائے بے ڈھبا پن ہوتا۔ اسی تخلیق کو دوسرے مقام پر ﴿اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾ (بہترین شکل وصورت) سے تعبیر فرمایا، چنانچہ ارشاد ربانی ہے: ﴿لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْۤ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ﴾ ”یقیناً ہم نے انسان کو بہترین شکل وصورت میں پیدا کیا۔“[1]

﴿فَعَدَلَكَ﴾ ”تجھے معتدل بنایا۔“ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ اصل میں فَعَدَّلَكَ، تعدیل سے ہے یا تعدیل کے معنی میں ہے ”تجھے معتدل بنایا“ یعنی تیرے قد وقامت میں اعتدال اور اعضاء میں تناسب رکھا جس سے تو جانوروں کے مقابلے میں ممتاز ہو گیا۔ اور اگر اسے فَعَدَلَكَ (تخفیف دال کے ساتھ) ہی سمجھا جائے تو عَدَلَ کے معنی صَرَفَ (پھیرا) کے ہیں۔ اس طرح معنی ہوں گے، تجھے اللہ نے پھیر کر اچھی خلقت عطا کی یا مطلب ہوگا، اللہ نے جس طرف چاہا تجھے پھیر دیا، کسی کو شکل وصورت میں اچھا بنایا، کسی کو قبیح۔ کسی کو دراز قامت بنایا، کسی کو کوتاہ قامت۔[2]

---

① التین 4:95 ② فتح القدیر، الانفطار 7:82 و تفسیر القاسمی، الانفطار 7:82

سُوْرَۃُ الْاِنْفِطَارِ

فِیْٓ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ⑧ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّیْنِ ⑨ وَاِنَّ

اس نے جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا⑧ ہرگز نہیں! بلکہ تم لوگ جزا و سزا کو جھٹلاتے ہو⑨ حالانکہ

عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَ ⑩ كِرَامًا كَاتِبِیْنَ ⑪ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ⑫

تم پر نگران (فرشتے) مقرر ہیں ⑩ معزز لکھنے والے ⑪ وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو ⑫

[8] اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بچے کو جس کے چاہے مشابہ بنا دے۔ باپ کے، ماں کے یا ماموں اور چچا کے۔ دوسرا مطلب ہے کہ وہ جس شکل میں چاہے ڈھال دے حتی کہ قبیح ترین جانور کی شکل میں بھی پیدا کر سکتا ہے لیکن یہ اس کا لطف و کرم اور مہربانی ہے کہ وہ ایسا نہیں کرتا اور بہترین انسانی شکل ہی میں پیدا فرماتا ہے۔ ﴿مَّا شَآءَ﴾ (اس نے چاہا) میں ﴿مَا﴾ زائدہ ہے۔

[9] ﴿كَلَّا﴾ حَقًّا (حقیقتاً) کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے اور کافروں کے اس طرز عمل کی نفی بھی جو اللہ کریم کی رأفت و رحمت سے دھوکے میں مبتلا ہونے پر مبنی ہے، یعنی اس فریبِ نفس میں مبتلا ہونے کا کوئی جواز نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ تمھارے دلوں میں اس بات پر یقین نہیں ہے کہ قیامت ہوگی اور وہاں جزا و سزا ہوگی۔

[12] تم تو جزا و سزا کے منکر ہو لیکن تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمھارا ہر قول اور ہر فعل نوٹ ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے تم پر بطور نگران مقرر ہیں جو تمھاری ہر اس بات کو جانتے ہیں جو تم کرتے ہو۔ یہ گویا انسانوں کو تنبیہ ہے کہ ہر عمل اور بات سے پہلے سوچ لو کہ وہ غلط تو نہیں۔ یہ وہی بات ہے جو سورۂ قٓ میں بیان ہوئی ہے: ﴿عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ ○ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ﴾ ”ایک فرشتہ اس کے دائیں اور دوسرا اس کے بائیں جانب بیٹھا ہوا ہے، انسان جو بولتا ہے، اس کے پاس نگران تیار اور حاضر ہے (لکھنے کے لیے)۔“[1] کہتے ہیں، ایک فرشتہ نیکی اور دوسرا بدی لکھتا ہے۔ اور احادیث و آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ دن کے دو فرشتے الگ اور رات کے دو فرشتے الگ ہیں۔ آئندہ آیات میں نیکوں اور

[1] قٓ 50:17-18

سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ⑬ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ⑭ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ

یقیناً نیک لوگ ضرور نعمتوں میں ہوں گے ⑬ اور یقیناً بدکار لوگ ضرور دوزخ میں ہوں گے ⑭ وہ روز جزا کو اس

الدِّيْنِ ⑮ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ ⑯ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ⑰

میں داخل ہوں گے ⑮ اور وہ اس سے غائب (دور) نہ ہو سکیں گے ⑯ اور آپ کو کیا خبر کہ روز جزا کیا ہے؟ ⑰

ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ⑱ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ

پھر آپ کو کیا خبر کہ روز جزا کیا ہے؟ ⑱ اس دن کوئی شخص کسی کے لیے کچھ بھی اختیار نہ رکھے گا

شَيْـًٔا ؕ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ⑲

اور اس دن حکم صرف اللہ کا ہوگا ⑲

بدوں دونوں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

[14] جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ﴾ ''ایک گروہ جنت میں اور ایک گروہ جہنم میں۔''[1]

[15] جس جزا و سزا کے دن کا وہ انکار کرتے تھے اسی دن جہنم میں اپنے اعمال کی پاداش میں داخل ہوں گے۔

[16] کبھی اس سے جدا نہیں ہوں گے اور اس سے غائب نہیں ہوں گے بلکہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔

[18] تکرار اس کی عظمت و فخامت اور اس دن کی ہولناکیوں کی وضاحت کے لیے ہے۔

[19] دنیا میں تو اللہ تعالیٰ نے عارضی طور پر آزمانے کے لیے انسانوں کو کم و بیش کچھ فرق کے ساتھ اختیارات دے رکھے ہیں لیکن آخرت کے دن اللہ کے سوا کسی کو کوئی اختیار نہ ہوگا۔

نجاتِ اخروی کے متعلق نبی ﷺ کا اپنے عزیز و اقارب کو انتباہ:

قیامت کے دن تمام اختیارات کُلِّیتاً صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہوں گے، جیسے

① الشوریٰ 42:7

سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ

فرمایا: ﴿ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴾ ''(اللہ پوچھے گا:) آج کس کی بادشاہی ہے؟ (پھر خود ہی فرمائے گا:) صرف اللہ واحد و قہار کی۔''[1] چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی پھوپھی سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا اور اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا تھا: «لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللهِ شَيْئًا» ''میں تمھیں اللہ سے بچانے کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا۔'' اور بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب کو بھی متنبہ فرمایا: «أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ، فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللهِ شَيْئًا» ''تم اپنے نفسوں کو آگ سے بچاؤ، بلاشبہ میں تمھیں اللہ سے بچانے کا کوئی اختیار نہیں رکھتا۔''[1]

---

① المؤمن 16:40

② صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ...... ﴾، حدیث: 4771 و صحیح مسلم، الإیمان، باب فی قوله تعالٰی: ﴿ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴾، حدیث: 204-205

سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ
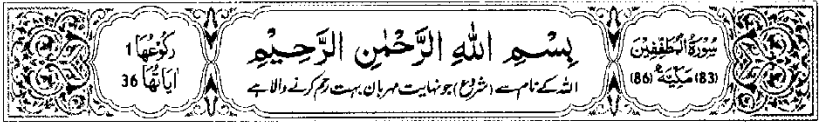
وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ① الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ②

ڈنڈی مارنے والوں کے لیے تباہی ہے ①وہ کہ جب وہ لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا لیتے ہیں②

وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ③ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ

اور جب وہ انھیں ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیتے ہیں③ کیا یہ لوگ یقین نہیں رکھتے کہ بے شک وہ

مَّبْعُوْثُوْنَ ④ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ⑤

(قبروں سے) اٹھائے جائیں گے④ایک عظیم دن کے لیے⑤

بعض اسے مکی اور بعض مدنی قرار دیتے ہیں اور بعض کے نزدیک یہ سورت مکے اور مدینے کے درمیان نازل ہوئی۔ اس کی شان نزول میں یہ روایت ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ ناپ تول میں کمی کرنے کے اعتبار سے بڑے نمایاں تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی جس کے بعد انھوں نے اپنی ناپ تول صحیح کر لی۔ [1]

[3] لینے اور دینے کے الگ الگ پیمانے رکھنا اور اس طرح ڈنڈی مار کر ناپ تول میں کمی کرنا بہت بڑی اخلاقی بیماری ہے جس کا نتیجہ دنیا و آخرت میں تباہی ہے۔

ناپ تول میں کمی کرنے والوں پر ظالم حکمرانوں کا مسلط کیا جانا:

ایک حدیث میں ہے:

«وَلَمْ يَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ، إِلَّا أُخِذُوا بِالسِّنِينَ وَشِدَّةِ الْمَؤُونَةِ وَجَوْرِ السُّلْطَانِ عَلَيْهِمْ»

''جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے، اس پر قحط سالی، سخت محنت اور حکمرانوں کا ظلم مسلط کر

① سنن ابن ماجه، التجارات، باب التوقي في الكيل والوزن، حديث : 2223

يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ⑥

جس دن لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے ⑥

دیا جاتا ہے۔"[1]

[6] یہ ڈنڈی مارنے والے اس بات سے نہیں ڈرتے کہ ایک بڑا ہولناک دن آنے والا ہے جس میں سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے جو تمام پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ یہ کام وہی لوگ کرتے ہیں جن کے دلوں میں اللہ کا خوف اور قیامت کا ڈر نہیں ہے۔

محشر میں لوگ پسینے میں شرابور ہوں گے:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ﴿يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ حَتّٰى يَغِيبَ أَحَدُهُمْ فِي رَشْحِهِ إِلٰى أَنْصَافِ أُذُنَيْهِ»

"جس دن لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے" تو آدھے کانوں تک اپنے پسینے میں ڈوب جائیں گے۔"[2]

ایک اور روایت میں ہے:

«تُدْنِي الشَّمْسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الْخَلْقِ، حَتّٰى تَكُونَ مِنْهُ كَمِقْدَارِ مِيْلٍ»

"قیامت کے دن سورج کو مخلوق کے قریب کر دیا جائے گا حتی کہ وہ ان سے ایک میل کے فاصلے پر ہوگا۔"

(حدیث کے راوی) سلیم بن عامر (تابعی رحمہ اللہ جنھوں نے اس حدیث کو مقداد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے) کہتے ہیں:

«فَوَاللهِ! مَا أَدْرِي مَا يَعْنِي بِالْمِيلِ؟ أَمَسَافَةَ الْأَرْضِ، أَمِ الْمِيلَ الَّذِي يُكْحَلُ بِهِ الْعَيْنُ؟»

---

[1] سنن ابن ماجه، الفتن، باب العقوبات، حديث:4019 وسلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني، حديث: 106 [2] صحيح البخاري، التفسير، باب ﴿يوم يقوم الناس لرب العالمين﴾، حديث: 4938

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ⑦ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ⑧

ہرگز نہیں! بے شک بدکاروں کا اعمال نامہ سِجِّین میں ہے ⑦ اور تمھیں کیا معلوم کہ وہ سِجِّین کیا ہے؟ ⑧

”اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ نبی ﷺ نے میل سے زمین کی مسافت والا میل مراد لیا ہے یا وہ سلائی جس سے سرمہ آنکھوں میں ڈالا جاتا ہے۔“

نبی ﷺ نے فرمایا:

«فَيَكُونُ النَّاسُ عَلٰى قَدْرِ أَعْمَالِهِمْ فِي الْعَرَقِ فَمِنْهُمْ مَنْ يَّكُونُ إِلٰى كَعْبَيْهِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَّكُونُ إِلٰى رُكْبَتَيْهِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يَّكُونُ إِلٰى حَقْوَيْهِ، وَمِنْهُمْ مَنْ يُّلْجِمُهُ الْعَرَقُ إِلْجَامًا ـ وَأَشَارَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِيَدِهِ إِلٰى فِيهِ»

”پس لوگ اپنے اعمال کے مطابق پسینے میں ہوں گے، بعض ان میں سے وہ ہوں گے جو اپنے ٹخنوں تک، بعض اپنے گھٹنوں تک، بعض اپنے پہلوؤں (کمر) تک پسینے میں ڈوبے ہوئے ہوں گے اور بعض ایسے ہوں گے کہ انھیں پسینے نے لگام ڈالی ہوگی۔ اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اپنے منہ کی طرف اشارہ فرمایا (جس طرح جانور کے منہ میں لگام ڈالی جاتی ہے، اس طرح پسینہ اس کے لیے لگام بنا ہوا ہوگا، یعنی اس کے منہ اور کانوں تک پسینہ ہوگا)۔“[1]

﴿سِجِّيْنٌ﴾ کا بیان:

[7] ﴿سِجِّيْنٌ﴾ بعض کہتے ہیں سِجنٌ (قید خانہ) سے ہے، مطلب ہے کہ قید خانے کی طرح ایک نہایت تنگ مقام ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ زمین کے سب سے نچلے حصے میں ایک جگہ ہے جہاں کافروں، ظالموں اور مشرکوں کی روحیں اور ان کے اعمال نامے جمع اور محفوظ ہوتے ہیں۔

[1] صحيح مسلم، الجنة ونعيمها، باب في صفة يوم القيامة......، حديث: 2864

كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿9﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿10﴾ الَّذِيْنَ

ایک کتاب ہے لکھی ہوئی ⑨ ہلاکت ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ⑩ وہ جو

يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿11﴾ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿12﴾

روز جزا کو جھٹلاتے ہیں ⑪ اور اسے صرف ہر حد سے بڑھا گناہ گار جھٹلاتا ہے ⑫

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿13﴾ كَلَّا بَلْ سكتة

جب اس پر ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو کہتا ہے: یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں ⑬ ہرگز نہیں! بلکہ

رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿14﴾

ان کے دلوں پر ان کے (برے) اعمال نے زنگ لگا دیا ہے ⑭

اسی لیے آگے اسے ﴿ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴾ (لکھی ہوئی کتاب) قرار دیا ہے۔ جس کا مطلب مسند احمد کی ایک روایت کی رو سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس میں کافروں کے ناموں کا اندراج ہوتا ہے۔[1] اور اکثر سلف کی رائے یہی ہے کہ سجین ہی میں کافروں کی روحیں بھی جمع رہتی ہیں۔[2]

[13] اس کا گناہوں میں انہماک اور حد سے تجاوز اتنا بڑھ گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات سن کر ان پر غور و فکر کرنے کی بجائے انھیں اگلوں کی کہانیاں بتلاتا ہے۔

[14] ﴿ كَلَّا ﴾ "ہرگز نہیں" یہ قرآن کہانیاں نہیں جیسا کہ کافر کہتے اور سمجھتے ہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی وحی ہے جو اس کے رسول محمد ﷺ پر جبریل امین کے ذریعے سے نازل ہوئی ہے۔

﴿ بَلْ سكتة رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ﴾ "بلکہ زنگ لگا دیا ہے ان کے دلوں پر" ﴿ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴾ "اس نے جو تھے وہ کماتے۔" یعنی ان کے دل اس قرآن اور وحی الٰہی پر ایمان اس لیے نہیں لاتے کہ ان کے دلوں پر گناہوں کی کثرت کی وجہ سے پردے پڑ گئے ہیں اور وہ زنگ آلود ہو گئے ہیں۔

---

① مسند أحمد : 288/4 وأحكام الجنائز للألباني، ص:201

② تفسير الطبري، المطففين 7:83

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ⑮ ثُمَّ اِنَّهُمْ

ہرگز نہیں! بے شک اس روز وہ (کافر) اپنے رب (کے دیدار) سے یقیناً محروم رکھے جائیں گے ⑮ پھر بے شک وہ

لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ⑯ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِىْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ⑰

ضرور دوزخ میں داخل ہوں گے ⑯ پھر ان سے کہا جائے گا کہ یہ وہی چیز ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے ⑰

رَیْنٌ ، گناہوں کی وہ سیاہی ہے جو مسلسل ارتکابِ گناہ کی وجہ سے گناہ گار کے دل پر چھا جاتی ہے۔

مسلسل گناہوں سے پورا دل سیاہ ہو جاتا ہے:

حدیث میں ہے:

«إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا أَخْطَأَ خَطِيئَةً نُكِتَتْ فِي قَلْبِهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ، فَإِذَا هُوَ نَزَعَ وَاسْتَغْفَرَ وَتَابَ صُقِلَ قَلْبُهُ، وَإِنْ عَادَ زِيدَ فِيهَا حَتَّى تَعْلُوَ قَلْبَهُ وَهُوَ الرَّانُ الَّذِي ذَكَرَ اللهُ» ﴿كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾

”بے شک بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگا دیا جاتا ہے، اگر وہ گناہ سے باز آ جاتا، استغفار اور توبہ کر لیتا ہے تو اس کا دل صاف کر دیا جاتا ہے (وہ سیاہی دور کر دی جاتی ہے) اور اگر توبہ کی بجائے گناہ پر گناہ کیے جاتا ہے تو وہ سیاہی بڑھا دی جاتی ہے حتی کہ اس کے پورے دل پر چھا جاتی ہے۔ یہی وہ رَیْن ہے جس کا ذکر اللہ نے (قرآن مجید میں) کیا ہے، ”ہرگز نہیں! بلکہ ان کے دلوں پر ان کے (برے) اعمال نے زنگ لگا دیا ہے۔““[1]

[15] ان کے برعکس اہل ایمان رؤیت باری تعالیٰ سے مشرف ہوں گے۔

---

① جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة ويل للمطففين، حديث: 3334 وسنن ابن ماجه، الزهد، باب ذكر الذنوب، حديث: 4244 ومسند أحمد: 297/2

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿18﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿19﴾

ہرگز نہیں! بے شک نیک لوگوں کا اعمال نامہ یقیناً علیّین میں ہے﴿18﴾ اور تمھیں کیا معلوم کہ وہ علیّین کیا ہے؟﴿19﴾

كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿20﴾ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿21﴾ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿22﴾

ایک کتاب ہے لکھی ہوئی﴿20﴾ اس کے پاس حاضر رہتے ہیں مقرب فرشتے﴿21﴾ بے شک نیک لوگ ضرور نعمتوں میں ہوں گے﴿22﴾

عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿23﴾ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ﴿24﴾

مسہریوں پر (بیٹھے) دیکھ رہے ہوں گے﴿23﴾ ان کے چہروں پر آپ نعمتوں کی تازگی محسوس کریں گے﴿24﴾

﴿ عِلِّيِّيْنَ ﴾ کا بیان:

[18] ﴿عِلِّيِّيْنَ﴾ عُلُوٌّ (بلندی) سے ہے۔ یہ سِجِّیْنٌ کے برعکس آسمانوں میں یا جنت میں یا سدرۃ المنتہٰی یا عرش کے پاس جگہ ہے جہاں نیک لوگوں کی روحیں اور ان کے اعمال نامے محفوظ ہوتے ہیں اور اس کے پاس مقرب فرشتے بھی حاضر ہوتے ہیں۔ اس کی تائید بھی مسند احمد کی مذکورہ حدیث سے ہوتی ہے جس کا حوالہ ﴿سِجِّیْنٌ﴾ کی تشریح میں گزر چکا ہے۔ اس میں الفاظ ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

«اُكْتُبُوا كِتَابَ عَبْدِي فِي عِلِّيِّينَ» ”میرے بندے کا عمل نامہ علیین میں لکھ دو۔“[1]

اس سے بھی مفسرین کے ایک گروہ نے یہی رائے قائم کی ہے کہ نیک لوگوں کی روحوں کا اصل مستقر یہی علیین ہے، تاہم ان کا ایک گونہ تعلق قبر والے جسم سے بھی رہتا ہے۔[2] اور سِجّین میں کافروں کی روحیں رہتی ہیں جیسے کہ پہلے گزرا ہے۔

[24] جس طرح دنیا میں خوش حال لوگوں کے چہروں پر بالعموم تازگی اور شادابی ہوتی ہے، جو ان آسائشوں، سہولتوں اور دنیوی نعمتوں کی مظہر ہوتی ہے جو انھیں فراوانی سے حاصل ہوتی ہیں، اسی طرح اہل جنت پر اعزاز و تکریم اور نعمتوں کی جوارزانی ہوگی اس کے اثرات ان کے چہروں پر بھی

① مسند أحمد: 287/4 و أحكام الجنائز للألباني، ص: 201

② مرعاة المفاتيح، كتاب الجنائز: 455/2 (طبع قديم)

يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿25﴾

انھیں مہر لگی خالص شراب پلائی جائے گی ﴿25﴾

ظاہر ہوں گے، وہ اپنے حسن و جمال اور رونق و بہجت سے پہچان لیے جائیں گے کہ یہ جنتی ہیں۔

[25] ﴿ رَّحِيْقٍ ﴾ صاف شفاف اور خالص شراب کو کہتے ہیں جس میں کسی چیز کی آمیزش نہ ہو۔ ﴿ مَّخْتُوْمٍ ﴾ ''سر بہ مہر۔'' اس کے خالص پن کی مزید وضاحت کے لیے ہے، بعض کے نزدیک یہ مخلوط کے معنی میں ہے، یعنی شراب میں کستوری کی آمیزش ہوگی جس سے اس کا ذائقہ دوبالا اور خوش بو مزید خوش کن اور راحت افزا ہو جائے گی۔ بعض کہتے ہیں، یہ ختم سے ہے، یعنی اس کا آخری گھونٹ کستوری کا ہوگا۔ بعض خِتَامٌ کے معنی خوشبو کرتے ہیں، ایسی شراب جس کی خوشبو کستوری کی طرح ہوگی۔ [1]

ایک ضعیف حدیث میں بھی یہ لفظ آیا ہے جس میں فرمایا گیا ہے:

«أَيُّمَا مُسْلِمٍ كَسَا مُسْلِمًا ثَوْبًا عَلٰى عُرًى كَسَاهُ اللهُ تَعَالٰى مِنْ خُضْرِ الْجَنَّةِ، وَأَيُّمَا مُسْلِمٍ أَطْعَمَ مُسْلِمًا عَلٰى جُوعٍ أَطْعَمَهُ اللهُ تَعَالٰى يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ ثِمَارِ الْجَنَّةِ، وَأَيُّمَا مُسْلِمٍ سَقٰى مُسْلِمًا عَلٰى ظَمَإٍ سَقَاهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ الرَّحِيقِ الْمَخْتُومِ»

''جس مسلمان نے کسی ننگے مسلمان کو لباس پہنایا، اللہ تعالیٰ اسے جنت کے سبز لباسوں میں سے پہنائے گا۔ اور جس مسلمان نے کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلایا، اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن جنت کے پھلوں میں سے کھلائے گا۔ اور جس مسلمان نے کسی پیاسے مسلمان کو ایک گھونٹ پانی پلایا، اللہ تعالیٰ اسے قیامت والے دن ﴿ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴾ میں سے پلائے گا۔'' [2]

[1] تفسیر ابن کثیر، المطففین 26:83

[2] ضعیف الجامع الصغیر للألبانی، حدیث: 2249

خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ؕ وَفِیْ ذٰلِكَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿26﴾ وَمِزَاجُهٗ مِنْ

اس پر کستوری کی مہر لگی ہو گی، لہٰذا شائقین کو اسی کا شوق کرنا چاہیے ﴿26﴾ اس میں تسنیم کی

تَسْنِیْمٍ ﴿27﴾ عَیْنًا یَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿28﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا

آمیزش ہو گی﴿27﴾ (وہ) ایک چشمہ ہے جس سے (اللہ کے) مقرب بندے پئیں گے﴿28﴾ بلاشبہ مجرم لوگ

كَانُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَضْحَكُوْنَ ﴿29﴾ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ

(دنیا میں) مومنوں پر ہنستے تھے﴿29﴾ اور جب وہ ان (مسلمانوں) کے پاس سے گزرتے تو آپس میں

یَتَغَامَزُوْنَ ﴿30﴾ وَاِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤی اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِیْنَ ﴿31﴾

آنکھوں سے اشارے کرتے تھے﴿30﴾ اور جب وہ اپنے اہل وعیال کی طرف لوٹتے تو دل لگی کرتے لوٹتے﴿31﴾

[26] عمل کرنے والوں کو ایسے عملوں میں سبقت کرنی چاہیے جس کے صلے میں جنت اور اس کی یہ نعمتیں حاصل ہوں، جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْیَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴾ ''اس جیسی چیز کے لیے ہی عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے۔''[1]

[27] ﴿ تَسْنِیْمٍ ﴾ کے معنی بلندی کے ہیں۔ اونٹ کی کوہان جو اس کے جسم سے بلند ہوتی ہے، اسے سَنَامٌ کہتے ہیں۔ قبر کے اونچا کرنے کو بھی تَسْنِیْمُ الْقُبُوْرِ کہا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس میں تسنیم شراب کی آمیزش ہو گی جو جنت کے بالائی علاقوں سے ایک چشمے کے ذریعے سے آئے گی۔ یہ جنت کی بہترین اور اعلیٰ شراب ہو گی۔

[29] انھیں حقیر جانتے ہوئے ان کا استہزا کرتے اور مذاق اڑاتے تھے۔

[30] غَمْزٌ کے معنی ہوتے ہیں، پلکوں اور ابروؤں سے اشارہ کرنا، یعنی ایک دوسرے کو اپنی پلکوں اور ابروؤں سے اشارہ کر کے مسلمانوں کی تحقیر اور ان کے مذہب پر طعن کرتے تھے۔

[31] اہل ایمان کا تحقیر کے انداز میں ذکر کر کے خوش ہوتے اور دل لگی کرتے۔ مطلب یہ ہے کہ جب اپنے گھروں میں لوٹتے تو وہاں خوشحالی اور فراغت ان کا استقبال کرتی اور جو چاہتے وہ

[1] الصآفات 61:37

وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوْٓا إِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ﴿32﴾ وَمَآ أُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ

اور جب وہ (کافر) ان (مسلمانوں) کو دیکھتے تو کہتے تھے بلاشبہ یہ یقیناً گمراہ لوگ ہیں ﴿32﴾ حالانکہ وہ (کافر) ان پر

حٰفِظِيْنَ ﴿33﴾ فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ﴿34﴾ عَلَى

نگران بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے ﴿33﴾ چنانچہ آج مومن لوگ، کافروں پر ہنس رہے ہوں گے ﴿34﴾ مسہریوں

الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿35﴾ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿36﴾

پر بیٹھے انھیں دیکھ رہے ہوں گے ﴿35﴾ (اور کہیں گے:) کیا کافروں کو ان حرکتوں کا بدلہ مل گیا جو وہ کرتے تھے؟ ﴿36﴾

انھیں مل جاتا، اس کے باوجود انھوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کیا بلکہ اہل ایمان کی تحقیر اور ان پر حسد کرنے ہی میں مشغول رہے۔[1]

[32] اہل توحید اہل شرک کی نظر میں اور اہل ایمان اہل کفر کے نزدیک گمراہ ہوتے ہیں۔ یہی صورت حال آج بھی ہے۔ گمراہ اپنے کو اہل حق اور اہل حق کو گمراہ باور کراتے ہیں، حتی کہ ایک سراسر باطل فرقہ اپنے سوا کسی کو مومن کہتا ہے اور نہ سمجھتا ہے۔ هَدَاهَا اللّٰهُ تَعَالٰى.

[33] یہ کافر مسلمانوں پر نگران بنا کر تو نہیں بھیجے گئے ہیں کہ یہ ہر وقت مسلمانوں کے اعمال و احوال ہی دیکھتے اور ان پر تبصرے کرتے رہیں، یعنی جب یہ ان کے مُکلّف ہی نہیں ہیں تو پھر کیوں ایسا کرتے ہیں؟

[34] جس طرح دنیا میں کافر اہل ایمان پر ہنستے تھے، قیامت والے دن یہ کافر اللہ تعالیٰ کی گرفت میں ہوں گے اور اہل ایمان ان پر ہنسیں گے۔ ان کو ہنسی اسی بات پر آئے گی کہ یہ گمراہ ہونے کے باوجود ہمیں گمراہ کہتے اور ہم پر ہنستے تھے، آج ان کو پتہ چل گیا کہ گمراہ کون تھا؟ اور کون اس قابل تھا کہ اس کا استہزا کیا جائے؟

[36] ﴿ثُوِّبَ﴾ بمعنی أُثِيبَ ''بدلہ دے دیے گئے'' یعنی کیا کافروں کو جو کچھ وہ کرتے تھے، اس کا بدلہ دے دیا گیا ہے؟ یہ سوال بھی استہزا اور تَہَکُّم کے طور پر ہے اور بعض مفسرین نے

[1] تفسیر ابن کثیر، المطففین 31:83

یہاں ﴿ هَلْ ﴾ کو استفہامیہ نہیں مؤکدہ (بمعنی قَدْ "تحقیق") قرار دیا ہے۔ دونوں صورتوں میں مفہوم صحیح اور واضح رہتا ہے۔

سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ

سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ (84) مَكِّيَّةٌ (83) | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رکوعہا 1 آیاتہا 25

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے
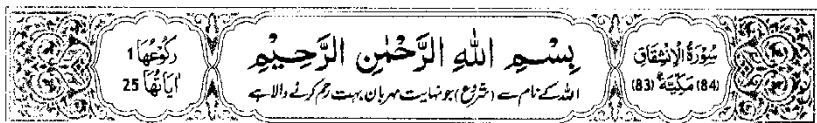
اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ① وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ② وَ اِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ③

جب آسمان پھٹ جائیگا① اور وہ اپنے رب کے حکم کی تعمیل کریگا اور اسکے لائق یہی ہے② اور جب زمین پھیلا دی جائیگی③

وَ اَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَ تَخَلَّتْ ④ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ⑤

اور اسکے اندر جو کچھ ہے وہ اسے اگل دیگی اور خالی ہو جائیگی④ اور وہ اپنے رب کے حکم کی تعمیل کریگی اور اسکے لائق یہی ہے⑤

يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ⑥

اے انسان! بے شک تو اپنے رب کیطرف (جانے کیلئے) سخت محنت کر رہا ہے، بالآخر تو اس سے ملنے والا ہے⑥

[1] جب قیامت برپا ہوگی۔

[2] ﴿ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا ﴾ ''وہ کان لگائے ہوئے ہے اپنے رب کے لیے۔'' اللہ تعالیٰ اس کو پھٹنے کا جو حکم دے گا اسے سنے گا اور اطاعت کرے گا۔

﴿ حُقَّتْ ﴾ ''اس کے لائق یہی ہے'' یعنی اس کے یہی لائق ہے کہ سنے اور اطاعت کرے، اس لیے کہ اللہ سب پر غالب ہے اور سب اس کے ماتحت ہیں، اس کے حکم سے سرتابی کرنے کی کس کو مجال ہوسکتی ہے؟

[3] اس کے طول و عرض میں مزید وسعت کر دی جائے گی یا یہ مطلب ہے کہ اس پر جو پہاڑ وغیرہ ہیں سب کو ریزہ ریزہ کر کے زمین کو صاف اور ہموار کر کے بچھا دیا جائے گا، اس میں کوئی اونچ نیچ نہیں رہے گی۔

[4] اس میں جو مردے دفن ہیں سب زندہ ہو کر باہر نکل آئیں گے، جو خزانے اس کے بطن میں موجود ہیں وہ انھیں ظاہر کر دے گی اور خود بالکل خالی ہو جائے گی۔

[5] إِلْقَاء (ڈال دینے) اور تَخَلِّي (خالی ہو جانے) کا جو حکم اسے دیا جائے گا، وہ اس کے مطابق عمل کرے گی۔

[6] یہاں انسان بطور جنس کے ہے جس میں مومن اور کافر دونوں شامل ہیں۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ﴿7﴾ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۙ﴿8﴾

پھر جس شخص کو اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا⑦ تو جلد ہی اس سے آسان حساب لیا جائے گا⑧

﴿ كَدْحًا ﴾ سخت محنت کو کہتے ہیں، وہ محنت خیر کے کاموں کے لیے ہو یا شر کے لیے۔ مطلب یہ ہے کہ جب مذکورہ چیزیں ظہور پذیر ہوں گی، یعنی قیامت آ جائے گی تو اے انسان! تو نے جو بھی اچھا یا برا عمل کیا ہو گا، وہ تو اپنے سامنے پا لے گا اور اسی کے مطابق تجھے اچھی یا بری جزا بھی ملے گی۔ آگے اس کی مزید تفصیل و وضاحت ہے۔

مومن کا آسان حساب اور اس کی دعا:

[8] آسان حساب یہ ہے کہ مومن کا اعمال نامہ پیش ہو گا، اس کی غلطیاں بھی اس کے سامنے لائی جائیں گی، پھر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور فضل و کرم سے اسے معاف فرما دے گا۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَيْسَ أَحَدٌ يُحَاسَبُ إِلَّا هَلَكَ»

''جس کا حساب لیا گیا وہ ہلاک ہو گیا۔''

میں نے کہا: («يَا رَسُولَ اللهِ ! جَعَلَنِيَ اللهُ فِدَاءَكَ ، أَلَيْسَ يَقُولُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ» ﴿ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ۝ ﴾ ''اے اللہ کے رسول! اللہ مجھے آپ پر قربان کرے، کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: ''پس جس شخص کو اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا۔ تو جلد ہی اس سے آسان حساب لیا جائے گا؟''

(مطلب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ تھا کہ اس آیت کی رو سے حساب تو مومن کا بھی ہو گا لیکن وہ ہلاکت سے دوچار نہیں ہو گا)۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی:

«ذَاكَ الْعَرْضُ يُعْرَضُونَ ، وَمَنْ نُوقِشَ الْحِسَابَ هَلَكَ»

''یہ تو پیشی ہے (مومن کے ساتھ معاملہ حساب کا نہیں ہو گا، ایک سرسری سی پیشی ہو گی)

وَّيَنْقَلِبُ اِلٰٓى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ⑨ وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ⑩

اور وہ اپنے اہل کی طرف ہنسی خوشی لوٹے گا⑨ اور جس شخص کو اس کا اعمال نامہ اس کی پیٹھ پیچھے دیا گیا⑩

فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ⑪ وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ⑫ اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ

تو وہ ضرور تباہی کو دعوت دے گا⑪ اور وہ بھڑکتی آگ میں جا پڑے گا⑫ بے شک وہ (دنیا میں) اپنے اہل وعیال

مَسْرُوْرًا ⑬ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ⑭

میں بڑا خوش تھا⑬ بے شک اس نے سمجھا تھا کہ وہ ہرگز (اللہ کی طرف) لوٹ کر نہیں جائے گا⑭

مومن رب کے سامنے پیش کیے جائیں گے جس کا مناقشہ ہوا (پوچھ گچھ ہوئی) وہ مارا گیا۔''[1]

ایک اور روایت میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے نبی ﷺ کو سنا آپ اپنی بعض نمازوں میں یہ دعا پڑھتے تھے: «اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنِي حِسَابًا يَّسِيرًا» ''اے اللہ! میرا حساب آسان فرمانا۔'' نماز سے فراغت کے بعد میں نے پوچھا: «مَا الْحِسَابُ الْيَسِيرُ؟» ''حسابِ یسیر (آسان حساب) کا کیا مطلب ہے؟'' آپ نے فرمایا:

«أَنْ يَّنْظُرَ فِي كِتَابِهِ فَيَتَجَاوَزَ عَنْهُ»

''اللہ تعالیٰ اس (بندے) کا اعمال نامہ دیکھے گا اور پھر اسے معاف فرما دے گا۔''[2]

[9] جو اس کے گھر والوں میں سے جنتی ہوں گے۔ یا اس سے مراد وہ حور عین اور وِلدان (نوعمر خادم) ہیں جو جنتیوں کو ملیں گے۔

[11] ﴿ثُبُوْرًا﴾ ہلاکت، خسارہ۔ یعنی وہ چیخے گا، پکارے گا، واویلا کرے گا کہ میں تو مارا گیا، ہلاک ہو گیا۔

[13] دنیا میں اپنی خواہشات میں مگن اور اپنے گھر والوں کے درمیان بڑا خوش تھا۔

[14] یہ اس کے خوش ہونے کی علت ہے، یعنی آخرت پر اس کا عقیدہ ہی نہیں تھا۔ حَوْرٌ کے

① صحيح البخاري، التفسير، باب ﴿فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا﴾، حديث: 4939

② مسند أحمد: 48/6 وصحيح ابن خزيمة: 30/2

بَلَىٰٓ ۚ إِنَّ رَبَّهُۥ كَانَ بِهِۦ بَصِيرًا ⑮ فَلَآ أُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ⑯

کیوں نہیں! اس کا رب اسے دیکھ رہا تھا ⑮ پس میں قسم کھاتا ہوں شفق کی ⑯

وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ⑰

اور رات کی اور اس کی جو کچھ وہ سمیٹتی ہے ⑰

معنی ہیں ''لوٹنا۔'' جس طرح نبی ﷺ کی بابت آتا ہے:

«كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا سَافَرَ يَتَعَوَّذُ مِنْ وَعْثَاءِ السَّفَرِ، وَكَآبَةِ الْمُنْقَلَبِ، وَالْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْنِ، وَدَعْوَةِ الْمَظْلُومِ، وَسُوءِ الْمَنْظَرِ فِي الْأَهْلِ وَالْمَالِ»

''رسول اللہ ﷺ جب سفر پر روانہ ہوتے تو سفر کی سختی، ناخوشگوار واپسی، کون (کمال) کے بعد حور (تنزل)، مظلوم کی بدعا اور اہل وعیال اور مال میں برے منظر سے پناہ مانگتے۔''[1]

صحیح مسلم کے ایک اور نسخے میں بَعْدَ الْكُوْرِ ہے۔ اور حَوْر سے کَوْن یا کَوْر کے بعد کا مطلب ہے ''اس بات سے میں پناہ مانگتا ہوں کہ ایمان کے بعد کفر، اطاعت کے بعد معصیت یا خیر کے بعد شر کی طرف لوٹوں۔''

[15] ﴿بَلَىٰٓ﴾ ''کیوں نہیں!'' کہ یہ نہ لوٹے اور دوبارہ زندہ نہ ہو۔ یا ﴿بَلَىٰٓ﴾ ''کیوں نہیں!'' یہ ضرور اپنے رب کی طرف لوٹے گا۔

﴿إِنَّ رَبَّهُۥ كَانَ بِهِۦ بَصِيرًا﴾ ''بلاشبہ اس کا رب تھا اس کو دیکھنے والا'' یعنی اس سے اس کا کوئی عمل مخفی نہیں تھا۔

[16] شَفَق اس سرخی کو کہتے ہیں جو سورج غروب ہونے کے بعد آسمان پر ظاہر ہوتی ہے اور عشاء کا وقت شروع ہونے تک رہتی ہے۔

[17] اندھیرا ہوتے ہی ہر چیز اپنے ماویٰ اور مسکن کی طرف جمع ہوتی اور سمٹ آتی ہے، یعنی

[1] صحيح مسلم، الحج، باب استحباب الذكر إذا ركب دابته......، حديث : 1343 وجامع الترمذي، الدعوات، باب مايقول إذا خرج مسافرا، حديث :3439

وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿18﴾ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿19﴾ فَمَا لَهُمْ لَا

اور چاند کی جبکہ وہ پورا ہو جاتا ہے ﴿18﴾ تم ضرور درجہ بدرجہ ایک حالت سے دوسری حالت کو پہنچو گے ﴿19﴾ پھر ان (کافروں)

يُؤْمِنُوْنَ ﴿20﴾ وَاِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ﴿21﴾ السجدۃ بَلِ الَّذِيْنَ

کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے؟ ﴿20﴾ اور جب ان پر قرآن پڑھا جائے تو سجدہ نہیں کرتے ﴿21﴾ بلکہ کافر تو

كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ﴿22﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ﴿23﴾ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ

(الٹا) جھٹلاتے ہیں ﴿22﴾ اور جو کچھ وہ (سینوں میں) محفوظ رکھتے ہیں اللہ اسے خوب جانتا ہے ﴿23﴾ تو آپ انھیں دردناک

اَلِيْمٍ ﴿24﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿25﴾

عذاب کی خبر دے دیجیے ﴿24﴾ مگر جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے بے انتہا اجر ہے ﴿25﴾

رات کا اندھیرا جن چیزوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتا ہے۔

[18] ﴿ اِذَا اتَّسَقَ ﴾ کے معنی ہیں، جب وہ مکمل ہو جائے، جیسے وہ تیرھویں کی رات سے سولھویں تاریخ کی رات تک رہتا ہے۔

[19] ﴿ طَبَقٍ ﴾ کے اصل معنی شدت کے ہیں۔ یہاں مراد وہ شدائد ہیں جو قیامت والے دن واقع ہوں گے، یعنی اس روز ایک سے ایک بڑھ کر حالت طاری ہوگی۔[1] یہ جواب قسم ہے۔

[21] احادیث سے یہاں نبی اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا سجدہ کرنا ثابت ہے۔[2]

[22] ایمان لانے کی بجائے جھٹلاتے ہیں۔

[23] تکذیب یا جو افعال وہ چھپ کر کرتے ہیں۔

---

[1] فتح الباری : 698/8

[2] صحیح البخاری، الأذان، باب الجهر فی العشاء، حدیث : 766 وصحیح مسلم، المساجد، باب سجود التلاوۃ، حدیث : 578

سُوْرَةُ الْبُرُوْج

سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ (85) مَكِّيَّةٌ (27) — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — رُكُوْعُهَا 1 اٰيَاتُهَا 22

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے
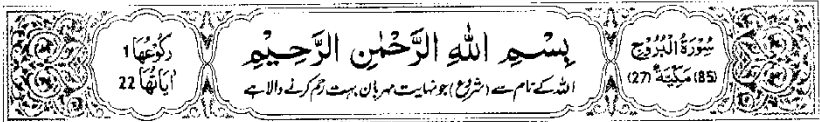
وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ① وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ② وَشَاهِدٍ وَّ مَشْهُوْدٍ ③

برجوں والے آسمان کی قسم! ①اور اس دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے ②اور حاضر ہونیوالے کی اور حاضر کیے گئے کی ③

نبی اکرم ﷺ ظہر اور عصر میں سورۃ الطارق اور سورۃ البروج پڑھتے تھے۔[1]

بُرج کے معنی اور ان کی تعداد:

[1] بُرُوج، بُرج (محل) کی جمع ہے۔ بُرج کے اصل معنی ہیں ''ظہور''۔ یہ کواکب کی منزلیں ہیں جنھیں ان کے محل اور قصور کی حیثیت حاصل ہے۔ ظاہر اور نمایاں ہونے کی وجہ سے انھیں بروج کہا جاتا ہے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ بارہ برج ہیں۔ چاند ہر برج میں دو دن اور ایک تہائی دن گزارتا ہے، اس حساب سے اس کی 28 منزلیں بنتی ہیں، پھر دو راتیں وہ چھپا رہتا ہے۔ اور سورج ہر برج میں ایک ایک مہینہ گزارتا ہے۔[2]

بعض نے بروج سے مراد ستارے لیے ہیں، یعنی ستاروں والے آسمان کی قسم۔ بعض کے نزدیک اس سے آسمان کے دروازے یا چاند کی منزلیں مراد ہیں۔[3]

[2] اس سے مراد بالاتفاق قیامت کا دن ہے۔

شاہد اور مشہود سے کیا مراد ہے؟

[3] شاہد اور مشہود کی تفسیر میں بہت اختلاف ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے احادیث و آثار کی بنیاد پر کہا ہے کہ شاہد سے مراد جمعے کا دن ہے، اس دن جس نے جو بھی عمل کیا ہوگا، یہ قیامت کے دن

---

① سنن أبي داود، الصلاة، باب قدر القراءة في صلاة الظهر و العصر، حديث: 805 و جامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في القراءة في الظهر و العصر، حديث: 307

② تفسير الطبري، البروج : 1:85 و تفسير القاسمي، البروج 1:85

③ فتح القدير، البروج 1:85

سُوْرَةُ الْبُرُوْج

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ④ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ⑤ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ⑥

ہلاک کیے گئے خندقوں والے ④ (ان خندقوں میں) آگ تھی ایندھن والی ⑤ جبکہ وہ ان خندقوں کے کنارے بیٹھے تھے ⑥

وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ⑦ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ

اور جو کچھ وہ مومنوں کے ساتھ کر رہے تھے، اسے دیکھ رہے تھے ⑦ اور انھیں ان (مومنوں) کا یہی کام برا معلوم

اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ⑧

ہوا کہ وہ اللہ، غالب، قابلِ تعریف پر ایمان لائے تھے ⑧

اس کی گواہی دے گا۔ اور مشہود سے مراد عرفے (9 ذوالحجہ) کا دن ہے جہاں لوگ حج کے لیے جمع اور حاضر ہوتے ہیں۔[1]

[4] جن لوگوں نے خندقیں کھود کر اس میں رب کے ماننے والوں کو ہلاک کیا، ان کے لیے ہلاکت اور بربادی ہے۔ ﴿قُتِلَ﴾ بمعنی لُعِنَ (لعنت کیا گیا)، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری اور بربادی۔

[5] ﴿النَّارِ﴾ (آگ) ﴿الْاُخْدُوْدِ﴾ (خندقوں) سے بدل اشتمال ہے۔ ﴿ذَاتِ الْوَقُوْدِ﴾ (ایندھن والی) ﴿النَّارِ﴾ کی صفت ہے، یعنی یہ خندقیں کیا تھیں؟ ایندھن والی آگ تھی جو اہل ایمان کو اس میں جھونکنے کے لیے دہکائی گئی تھی۔

[6] کافر بادشاہ یا اس کے کارندے آگ کے کنارے بیٹھے اہل ایمان کے جلنے کا تماشا دیکھ رہے تھے جیسا کہ اگلی آیت میں ہے۔

[8] ان لوگوں کا جرم، جنھیں آگ میں جھونکا جا رہا تھا، یہ تھا کہ وہ اللہ غالب پر ایمان لے آئے تھے۔ اس واقعے کی تفصیل، جو صحیح احادیث سے ثابت ہے، حسب ذیل ہے:

اصحابِ اُخدود کا واقعہ:

گزشتہ زمانے میں ایک بادشاہ کا جادوگر اور کاہن تھا، جب وہ جادوگر بوڑھا ہو گیا تو اس نے

① فتح القدير، البروج 3:85 و سلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني، حديث : 1502

الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ⑨

وہ ذات کہ اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور اللہ ہر چیز پر شاہد ہے ⑨

اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ

بے شک جنھوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ستایا، پھر توبہ نہ کی تو ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے،

جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِیْقِ ⑩ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

اور ان کے لیے جلانے والا عذاب ہے⑩ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے،

لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ۬ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِیْرُ ⑪ ؕ

ان کے لیے باغات ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، یہی ہے بہت بڑی کامیابی⑪

بادشاہ سے کہا: «إِنِّي قَدْ كَبِرْتُ، فَابْعَثْ إِلَيَّ غُلَامًا أُعَلِّمْهُ السِّحْرَ» ”بے شک میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں، ایک (ذہین) لڑکا میرے سپرد کرتا کہ میں اسے جادو سکھا دوں۔“ چنانچہ بادشاہ نے ایک سمجھدار لڑکا تلاش کر کے اس کی طرف بھیجنا شروع کر دیا جس کو وہ جادو سکھاتا۔ اس کے راستے میں ایک راہب (پادری) کا بھی ٹھکانا تھا، وہ لڑکا جب بھی جادوگر کے پاس جاتا تو راہب کے پاس بھی تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ جاتا، اس لڑکے نے اس کی باتیں سنیں تو اسے اچھی لگیں۔ پس وہ جب بھی جادوگر کے پاس جاتا تو گزرتے ہوئے راہب کے پاس بھی بیٹھ جاتا۔ جب وہ جادوگر کے پاس آتا تو دیر سے آنے کی وجہ سے جادوگر اسے مارتا، اس نے راہب کو بتلایا۔ راہب نے اس سے کہا کہ جب تمھیں جادوگر سے مار کا ڈر ہو تو یہ کہہ دیا کرو کہ مجھے میرے گھر والوں نے روک لیا تھا اور جب گھر والوں سے ڈر ہو تو کہہ دیا کرو کہ جادوگر نے مجھے روک لیا تھا، چنانچہ اسی طرح دن گزرتے رہے۔ ایک دن لڑکے نے اپنے راستے میں ایک بہت بڑا جانور (شیر یا سانپ وغیرہ) دیکھا جس نے لوگوں کا راستہ روک رکھا تھا۔ لڑکے نے دل میں کہا: «اَلْيَوْمَ أَعْلَمُ السَّاحِرُ أَفْضَلُ أَمِ الرَّاهِبُ أَفْضَلُ؟» ”آج کے دن میں جان لوں گا کہ جادوگر افضل ہے یا راہب؟“ اس نے ایک پتھر پکڑا اور کہا: «اَللّٰهُمَّ! إِنْ كَانَ

أَمْرُ الرَّاهِبِ أَحَبَّ إِلَيْكَ مِنْ أَمْرِ السَّاحِرِ فَاقْتُلْ هٰذِهِ الدَّابَّةَ، حَتّٰى يَمْضِيَ النَّاسُ» ”اے اللہ! اگر راہب کا معاملہ تیرے نزدیک جادوگر کے معاملے سے بہتر اور پسندیدہ ہے تو اس جانور کو (اس پتھر کے ذریعے سے) مار دے تاکہ (راستہ کھل جائے اور) لوگ گزر جائیں۔“ یہ کہہ کر اس نے پتھر اس جانور کو مارا جس سے وہ ہلاک ہو گیا اور لوگ گزر گئے۔ وہ لڑکا راہب کے پاس آیا اور اسے یہ واقعہ بتلایا۔ راہب نے کہا: «أَيْ بُنَيَّ! أَنْتَ الْيَوْمَ أَفْضَلُ مِنِّي، قَدْ بَلَغَ مِنْ أَمْرِكَ مَا أَرٰى، وَإِنَّكَ سَتُبْتَلٰى، فَإِنِ ابْتُلِيتَ فَلَا تَدُلَّ عَلَيَّ» ”بیٹے! آج تم مجھ سے افضل ہو۔ تمھارا معاملہ جہاں تک پہنچ گیا ہے، میں وہ دیکھ رہا ہوں اور عنقریب تم آزمائش میں ڈالے جاؤ گے۔ پس جب آزمائش کا یہ مرحلہ آئے تو تم میری بابت مت بتلانا۔“ یہ لڑکا مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اللہ کے حکم سے درست کر دیتا تھا اور دیگر تمام بیماریوں کا بھی علاج کرتا تھا۔ بادشاہ کا ایک درباری (ہم نشیں) اندھا ہو گیا، اس نے جب سنا تو وہ بہت سے ہدیے لے کر لڑکے کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ اگر تم مجھے ٹھیک کر دو تو یہ سارے ہدیے جو یہاں میں ساتھ لایا ہوں، تمھارے ہیں۔ لڑکے نے کہا: «إِنِّي لَا أَشْفِي أَحَدًا، إِنَّمَا يَشْفِي اللّٰهُ، فَإِنْ أَنْتَ آمَنْتَ بِاللّٰهِ دَعَوْتُ اللّٰهَ فَشَفَاكَ» ”میں کسی کو شفا نہیں دیتا، شفا صرف اللہ دیتا ہے۔ اگر تو اللہ پر ایمان لے آئے تو میں اللہ سے دعا کروں گا، پس وہ تجھے شفا عطا فرما دے گا۔“ چنانچہ وہ اللہ پر ایمان لے آیا اور اللہ نے اسے شفا عطا فرما دی۔ وہ ٹھیک ہونے کے بعد بادشاہ کے پاس آیا اور اس کے پاس اس طرح بیٹھ گیا جیسے وہ بیٹھا کرتا تھا۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا: تیری بینائی کس نے بحال کر دی؟ اس نے کہا: میرے رب نے۔ بادشاہ نے کہا کہ کیا میرے علاوہ تیرا کوئی اور رب ہے؟ اس نے کہا: میرا اور تیرا رب صرف ایک اللہ ہے۔ بادشاہ نے اسے گرفتار کر لیا اور اس کو سزا دیتا رہا حتی کہ اس نے لڑکے کا پتہ بتلا دیا، چنانچہ لڑکے کو بادشاہ کی خدمت میں لایا گیا، بادشاہ نے اس سے کہا کہ بیٹا! تیرے جادو کا کمال اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ تو مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو درست کر دیتا ہے اور بھی فلاں فلاں کام کر لیتا ہے۔ لڑکے نے کہا:

«إِنِّي لَا أَشْفِي أَحَدًا ، إِنَّمَا يَشْفِي اللّٰهُ» ''بے شک میں کسی کو شفا نہیں دیتا، شفا دینے والا صرف اللہ ہے۔'' بادشاہ نے اسے بھی گرفتار کر لیا اور اسے سزا دیتا رہا حتی کہ اس نے راہب کا پتہ بتلا دیا۔ پس راہب کو پیش کیا گیا اور اس سے کہا گیا کہ تم اپنے دین سے پھر جاؤ۔ اس نے انکار کر دیا، بادشاہ نے آرہ منگوایا اور اس آرے کو اس کے سر کے عین درمیان (مانگ والے مقام پر) رکھ دیا اور اس کے سر کو چیر دیا یہاں تک کہ اس کے سر کے دو حصے ہو گئے، پھر بادشاہ کے ہم نشیں (درباری) کو لایا گیا اور اس سے کہا گیا کہ اپنے دین سے پھر جا۔ اس نے بھی انکار کر دیا، چنانچہ آرہ اس کے سر کے مانگ والے مقام پر رکھ دیا گیا اور اس کے سر کو چیر دیا گیا جس سے اس کے سر کے بھی دو ٹکڑے ہو گئے، پھر لڑکے کو لایا گیا اور اس سے کہا گیا کہ اپنے دین سے پھر جا۔ اس نے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے اسے اپنے چند خاص آدمیوں کے سپرد کیا اور کہا کہ اسے فلاں فلاں پہاڑ پر لے جاؤ، اس پر اسے چڑھاؤ، جب تم اس کی چوٹی پر پہنچ جاؤ تو اس سے اس کے دین کی بابت پوچھو، اگر یہ اپنے دین سے پھر جائے تو ٹھیک ورنہ اسے وہاں سے نیچے پھینک دو۔ چنانچہ وہ اسے پہاڑ پر لے کر چڑھے تو اس نے اللہ سے دعا کی: «اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيهِمْ بِمَا شِئْتَ» ''اے اللہ! تو ان کے مقابلے میں، جیسے تو چاہے، مجھے کافی ہو جا۔'' چنانچہ پہاڑ لرزا جس سے وہ سب گر کر مر گئے اور اللہ نے اسے بچا لیا۔ لڑکا بادشاہ کے پاس آ گیا۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ تیرے ساتھیوں نے کیا کیا (کیا انھوں نے تجھے پہاڑ کی چوٹی سے نہیں گرایا)؟ لڑکے نے کہا کہ ان کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ مجھے کافی ہو گیا۔ بادشاہ نے اسے پھر اپنے چند خاص آدمیوں کے سپرد کیا اور ان سے کہا کہ اسے لے جاؤ، کشتی میں سوار کرو اور سمندر کے درمیان لے جا کر اس سے پوچھو، اگر یہ اپنے دین سے پھر جائے تو ٹھیک ورنہ اسے سمندر میں پھینک دو۔ چنانچہ وہ اسے لے گئے، اس نے کشتی میں بیٹھ کر دعا کی: «اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيهِمْ بِمَا شِئْتَ» ''اے اللہ! تو ان کے مقابلے میں، جیسے تو چاہے، مجھے کافی ہو جا۔'' چنانچہ کشتی الٹ گئی اور وہ سب پانی میں ڈوب گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے دوبارہ بچا لیا، یہ لڑکا پھر بادشاہ کے پاس آ گیا۔ بادشاہ

إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ⑫

بے شک آپ کے رب کی پکڑ نہایت سخت ہے ⑫

نے اس سے پوچھا کہ تیرے ساتھیوں نے کیا کیا (کیا انھوں نے تجھے سمندر میں نہیں پھینکا)؟ لڑکے نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ان کے مقابلے میں مجھے کافی ہو گیا، پھر لڑکے نے بادشاہ سے کہا کہ تو مجھے اس وقت تک قتل نہیں کر سکتا جب تک تو وہ طریقہ اختیار نہ کرے جو میں تجھے بتلاؤں؟ بادشاہ نے کہا، وہ طریقہ کیا ہے؟ لڑکے نے کہا کہ تو ایک کھلے میدان میں لوگوں کو جمع کر اور مجھے سولی دینے کے لیے ایک تنے پر چڑھا، پھر میرے ترکش سے ایک تیر لے کر اسے کمان کے چلّے پر رکھ، پھر یہ الفاظ پڑھ کر: «بِسْمِ اللهِ رَبِّ الْغُلَامِ» ''لڑکے کے رب، اللہ کے نام سے'' مجھے تیر مار۔ پس جب تو ایسا کرے گا تو مجھے قتل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا، تیر لڑکے کی کنپٹی پر لگا، لڑکے نے اپنا ہاتھ اپنی کنپٹی پر رکھا اور مر گیا۔ لوگ (یہ ماجرا دیکھ کر رب کائنات کی حقیقت اور الٰہ واحد کی توحید سمجھ گئے اور بے اختیار) پکار اٹھے: «آمَنَّا بِرَبِّ الْغُلَامِ» ''ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے۔'' بادشاہ اور زیادہ پریشان ہو گیا، چنانچہ اس نے خندقیں کھدوائیں اور اس میں آگ جلوائی اور حکم دیا کہ جو ایمان سے انحراف نہ کرے، اس کو آگ میں پھینک دو۔

اس طرح ایمان دار آتے رہے اور آگ کے حوالے ہوتے رہے حتی کہ ایک عورت آئی جس کے ساتھ ایک بچہ تھا، وہ ذرا ٹھٹھکی تو بچہ بول پڑا: «يَا أُمَّهْ! اِصْبِرِي، فَإِنَّكِ عَلَى الْحَقِّ» ''اماں! صبر کر، تو یقیناً حق پر ہے۔''[1]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اور بھی بعض واقعات نقل کیے ہیں، جو اس سے مختلف ہیں، اور کہا ہے کہ ممکن ہے اس قسم کے متعدد واقعات مختلف جگہوں پر ہوئے ہوں۔[2]

[12] جب وہ اپنے ان دشمنوں کی گرفت کرنے پر آئے جو اس کے رسولوں کی تکذیب کرتے اور

① صحيح مسلم، الزهد والرقائق، باب قصة أصحاب الأخدود......، حديث: 3005

② تفسير ابن كثير، البروج 9,4:85

سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ

إِنَّهُ هُوَ يُبْدِئُ وَيُعِيْدُ ⑬ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ⑭

بے شک وہی پہلی بار پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا⑬ اور وہ بڑا بخشنے والا، بہت محبت کرنے والا ہے⑭

ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ⑮ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ⑯

وہ عرش کا مالک، اونچی شان والا ہے⑮ جو چاہے کر گزرتا ہے⑯

اس کے حکموں کی مخالفت کرتے ہیں تو پھر اس کی گرفت سے انھیں کوئی نہیں بچا سکتا۔

[13] وہی اپنی قوت اور قدرت کاملہ سے پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور پھر قیامت والے دن دوبارہ انھیں اسی طرح پیدا فرمائے گا جس طرح اس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا۔

[15] تمام مخلوقات سے معظم اور بلند ہے اور عرش، جو سب سے اوپر ہے، اس کا مستقر ہے۔ جیسا کہ صحابہ وتابعین اور محدثین کا عقیدہ ہے۔ ﴿الْمَجِيْدُ﴾ ''صاحبِ فضل وکرم'' یا ''اونچی شان والا''۔ یہ مرفوع اس لیے ہے کہ یہ ﴿ذُو الْعَرْشِ﴾ ''عرش کے مالک'' یعنی رب کی صفت ہے، عرش کی صفت نہیں اگرچہ بعض لوگ اسے عرش کی صفت تسلیم کر کے اسے مجرور پڑھتے ہیں۔ معناً دونوں صحیح ہیں۔[1]

[16] وہ جو چاہے کر گزرتا ہے، اس کے حکم اور مشیت کو ٹالنے والا کوئی نہیں ہے نہ اس سے کوئی پوچھنے والا ہی ہے۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مرض الموت کا واقعہ:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ان کے مرض الموت میں کسی نے پوچھا: کیا کسی طبیب نے آپ کو دیکھا؟ انھوں نے فرمایا: ہاں۔ پوچھا: اس نے کیا کہا؟ فرمایا: اس نے کہا ہے: «إِنِّي فَعَّالٌ لِّمَا أُرِيدُ» ''بے شک میں کر گزرنے والا ہوں جو چاہتا ہوں (میں جو چاہوں کروں، میرے معاملے میں کوئی دخل دینے والا نہیں)۔''[2]

① تفسیر ابن کثیر، البروج 15:85

② تفسیر ابن کثیر، البروج 16:85 وحلیة الأولیاء للأصفهاني 69/1:

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ⑰ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ⑱ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

کیا آپ کے پاس لشکروں کی خبر پہنچی ہے؟ ⑰ (یعنی) فرعون اور ثمود کی ⑱ بلکہ کافر تو جھٹلانے

فِيْ تَكْذِيْبٍ ⑲ وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ⑳ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ㉑

میں لگے ہوئے ہیں ⑲ اور اللہ ہر طرف سے انھیں گھیرے ہوئے ہے ⑳ بلکہ یہ قرآن اونچی شان والا ہے ㉑

فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ㉒

ع 1 22 10

لوح محفوظ میں (لکھا ہوا) ہے ㉒

مطلب یہ تھا کہ معاملہ اب طبیبوں کے ہاتھوں میں نہیں رہا، میرا آخری وقت آ گیا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اب میرا طبیب ہے جس کی مشیت کو ٹالنے کی کسی کے اندر طاقت نہیں ہے۔

[17] ان پر میرا عذاب آیا اور میں نے انھیں اپنی گرفت میں لیا جسے کوئی ٹال نہیں سکا۔

[20] یہ ﴿ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ﴾ (بے شک آپ کے رب کی پکڑ نہایت سخت ہے) ہی کا اثبات اور اس کی تاکید ہے۔

[22] لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے جہاں فرشتے اس کی حفاظت پر مامور ہیں، اللہ تعالیٰ حسب ضرورت واقتضا اسے نازل فرماتا ہے۔

سُوْرَةُ الطَّارِقِ
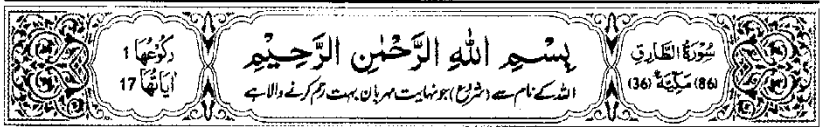
وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ① وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ②

قسم ہے آسمان کی اور رات کو آنے والے کی ① اور آپ کو کیا معلوم کہ وہ رات کو آنے والا کیا ہے؟ ②

النَّجْمُ الثَّاقِبُ ③ اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ④

وہ چمکتا ہوا ستارہ ہے ③ کوئی جان ایسی نہیں جس پر کوئی نگہبان نہ ہو ④

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ مغرب کی نماز میں سورۃ البقرہ اور سورۃ النساء پڑھی، نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو فرمایا:

«أَفَتَّانٌ يَا مُعَاذُ؟ مَا كَانَ يَكْفِيكَ أَنْ تَقْرَأَ بِـ» ﴿وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ﴾ وَ ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا﴾؟

"اے معاذ! کیا تو لوگوں کو فتنے میں ڈالتا ہے؟ تجھے کافی نہیں تھا کہ تو ﴿وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ﴾ اور ﴿وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا﴾ پڑھ لیتا؟"[1]

[2] ﴿الطَّارِقُ﴾ سے کیا مراد ہے؟ خود قرآن نے واضح کر دیا کہ وہ روشن (چمکنے والا) ستارہ ہے۔ طَارِق، طَرُوقٌ سے ہے جس کے لغوی معنی کھٹکھٹانے کے ہیں لیکن طارق رات کو آنے والے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ستاروں کو بھی طارق اسی لیے کہا ہے کہ یہ دن کو چھپ جاتے اور رات کو نمودار ہوتے ہیں۔

[4] ہر نفس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتے مقرر ہیں جو اس کے اچھے یا برے، سارے عمل لکھتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں، یہ انسانوں کی حفاظت کرنے والے فرشتے ہیں جیسا کہ سورۂ رعد کی آیت: 11 میں ذکر ہے: ﴿لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ﴾ "اس (انسان) کے لیے باری باری آنے والے (فرشتے) ہیں، اس کے آگے سے

---

① سنن الکبریٰ للنسائی: 332/10

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ﴿5﴾ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ﴿6﴾

چنانچہ انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے ⑤ وہ اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے ⑥

يَّخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ﴿7﴾

جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے ⑦

اور اس کے پیچھے سے، وہ اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں"[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی حفاظت کے لیے بھی انسان کے آگے پیچھے فرشتے ہوتے ہیں جس طرح قول و فعل لکھنے والے ہوتے ہیں۔

[5] اس پر غور و فکر کرے اور دیکھے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ پانی کے ایک قطرے سے انسانی پیکر وجود میں لے آتا ہے؟ جب انسان اس تولیدی عمل پر غور کرے گا تو اس کے لیے قیامت کے دن دوبارہ زندہ ہونے کے مسئلے کو سمجھنا آسان ہو جائے گا کیونکہ جو ذات پہلی مرتبہ اس طرح پیدا کر سکتی ہے، اس کے لیے اسے دوبارہ زندہ کر دینا کوئی مشکل بات نہیں۔

[6] ﴿مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ﴾ "اچھلنے والے پانی سے" یعنی منی سے جو قضائے شہوت کے بعد زور سے اور اچھل کر نکلتی ہے۔ یہی قطرۂ آب (منی) رحم عورت میں جا کر، جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے، حمل کا باعث بنتا ہے۔

[7] کہا جاتا ہے کہ پیٹھ مرد کی اور سینہ عورت کا، ان دونوں کے پانی سے انسان کی تخلیق ہوتی ہے۔ لیکن اسے ایک ہی پانی اس لیے کہا کہ یہ دونوں عورت کے رحم میں مل کر ایک ہی بن جاتے ہیں۔ تَرَائِبُ، تَرِيْبَةٌ کی جمع ہے، سینے کا وہ حصہ جو ہار پہننے کی جگہ ہے۔ مراد ہے سینے کی ہڈیاں اور سینے کی ہڈیوں سے مراد ان کے درمیان کا حصہ، یعنی چھاتی ہے۔ اس تفسیر کی رو سے جس پانی سے انسان کی پیدائش ہوتی ہے وہ مرد کی پیٹھ (ریڑھ) سے نکل کر خصیتین میں جمع ہوتا ہے اور عورت کی چھاتی سے نکلتا ہے۔ اور مرد و عورت کے ملاپ کے وقت یہ قطراتِ منی عورت کے رحم میں ایک نطفے کی شکل میں جمع ہو جاتے ہیں۔ اس سے، اگر اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، انسان کی تولید ہوتی ہے۔

[1] الرعد 11:13

إِنَّهُ عَلَىٰ رَجْعِهِ لَقَادِرٌ ⑧ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ⑨

بے شک وہ (اللہ) اسے دوبارہ پیدا کرنے پر یقیناً قادر ہے⑧ جس دن راز ظاہر کر دیے جائیں گے⑨

اور ایک دوسری تفسیر اس کی یہ ہے کہ یہ پانی (منی کا قطرہ) مرد ہی کا ہوتا ہے، اس کا تعلق ایک گونہ دماغ سے ہوتا ہے، اس لیے خون سے بننے والی یہ منی حرام مغز کے ذریعے سے ریڑھ کے منکوں سے نکل کر مختلف شریانوں سے گزرتی ہوئی سینے کی طرف آ جاتی ہے، یوں اس کا تعلق قلب وجگر سے بھی ہوتا ہے کیونکہ اس کے قریب ہی سے یہ شریانیں گزرتی ہیں۔ یہاں سے یہ خصیتین اور پھر وہاں سے رحم مادر میں منتقل ہو جاتی ہے۔ اس تفسیر کی رو سے یہ صرف مرد ہی کی منی ہوتی ہے جس سے انسانی تخلیق کا عمل ظہور پذیر ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

[8] انسان کے مرنے کے بعد اسے دوبارہ زندہ کرنے پر وہ قادر ہے۔ بعض کے نزدیک اس کا مطلب ہے کہ وہ اس قطرۂ آب کو دوبارہ شرمگاہ کے اندر لوٹانے کی قدرت رکھتا ہے جہاں سے وہ نکلا تھا۔ پہلے مفہوم کو امام شوکانی اور امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔[1]

[9] ظاہر ہو جائیں گے کیونکہ ان پر جزا و سزا ہوگی۔

بدعہدی کرنے والے کو مشتہر کیا جائے گا:

حدیث میں آتا ہے:

«لِكُلِّ غَادِرٍ لِّوَاءٌ عِنْدَ إِسْتِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''ہر غدر (بدعہدی) کرنے والے کے لیے قیامت کے دن اس کی سرین کے پاس ایک جھنڈا ہوگا۔''[2]

اور ایک روایت میں ہے کہ کہا جائے گا:

---

① فتح القدير، الطارق 8:86 و تفسير الطبري، الطارق 8:86

② صحيح البخاري، الجزية والموادعة، باب إثم الغادر للبر والفاجر، حديث: 3188 و صحيح مسلم، الجهاد، باب تحريم الغدر، حديث: 1738

فَمَا لَهٗ مِنۡ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ﴿10﴾ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجۡعِ ﴿11﴾

توانسان کے پاس نہ کوئی قوت ہوگی اور نہ کوئی اس کا مددگار ہوگا⑩ قسم ہے بار بار بارش برسانے والے آسمان کی⑪

وَالۡاَرۡضِ ذَاتِ الصَّدۡعِ ﴿12﴾ اِنَّهٗ لَقَوۡلٌ فَصۡلٌ ﴿13﴾

اور پھٹنے والی زمین کی⑫ بے شک یہ (قرآن) یقیناً قولِ فیصل ہے⑬

«هٰذِهِ غَدْرَةُ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ»

”یہ فلاں بن فلاں کی غداری ہے۔“[1]

مطلب یہ ہے کہ وہاں کسی کا کوئی عمل مخفی نہیں رہے گا۔

[10] خود انسان کے پاس اتنی قوت ہوگی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جائے، نہ کسی اور طرف سے اس کو کوئی ایسا مددگار مل سکے گا جو اسے اللہ کے عذاب سے بچا سکے۔

بارش کو رَجۡعٌ سے کیوں تعبیر کیا؟:

[11] رَجۡعٌ کے لغوی معنی ہیں، لوٹنا پلٹنا۔ بارش بھی بار بار اور پلٹ پلٹ کر ہوتی ہے، اس لیے بارش کو رَجۡعٌ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ بادل سمندروں ہی سے پانی لیتا ہے اور پھر وہی پانی زمین پر لوٹا دیتا ہے، اس لیے بارش کو رَجۡعٌ کہا۔ بعض کہتے ہیں بطور تفاؤل عرب بارش کو رَجۡعٌ کہتے تھے تاکہ وہ بار بار ہوتی رہے۔[2]

[12] زمین پھٹتی ہے تو اس سے پودا باہر نکلتا ہے، زمین پھٹتی ہے تو چشمہ جاری ہو جاتا ہے اور اسی طرح ایک دن آئے گا کہ زمین پھٹے گی، سارے مردے زندہ ہو کر باہر نکل آئیں گے، اس لیے زمین کو پھٹنے والی اور شگاف والی کہا۔

[13] یہ جواب قسم ہے، یعنی کھول کر بیان کرنے والا ہے جس سے حق اور باطل دونوں واضح ہو جاتے ہیں۔

---

① صحیح مسلم، الجهاد، باب تحریم الغدر، حدیث: 1735

② فتح القدیر، الطارق 11:86

وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ⑭ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ⑮ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ⑯

اور یہ ہنسی مذاق نہیں ہے⑭ بے شک وہ (کافر) کچھ چالیں چلتے ہیں⑮ اور میں بھی ایک چال چلتا ہوں⑯

فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ⑰

ع 1 17 11

تو (اے نبی!) آپ ان کافروں کو ذرا ان کے حال پر چھوڑ دیں⑰

[14] کھیل کود اور مذاق والی چیز نہیں ہے، هَزْلٌ، (ہنسی مذاق) جدٌّ (قصد وارادہ) کی ضد ہے، یعنی ایک واضح مقصد کی حامل کتاب ہے، لہو ولعب کی طرح بے مقصد نہیں ہے۔

[15] نبی ﷺ جو دین حق لے کر آئے ہیں کافر اسے ناکام کرنے کے لیے سازشیں کرتے ہیں یا نبی ﷺ کو دھوکہ اور فریب دیتے ہیں اور منہ پر ایسی باتیں کرتے ہیں کہ دل میں اس کے برعکس ہوتا ہے۔

[16] میں ان کی چالوں اور سازشوں سے غافل نہیں ہوں، میں بھی ان کے خلاف تدبیر کر رہا ہوں یا ان کی چالوں کا توڑ کر رہا ہوں۔ كَيْدٌ خفیہ تدبیر کو کہتے ہیں جو برے مقصد کے لیے ہو تو بری ہے اور مقصد نیک ہو تو بری نہیں۔

[17] ان کے لیے تعجیل عذاب (جلد عذاب بھیجنے) کا سوال نہ کر بلکہ انھیں کچھ مہلت دے دے۔ ﴿رُوَيْدًا﴾ یعنی قَلِيْلًا (تھوڑی) یا قَرِيْبًا (قریبی)۔ یہ إِمْهَال وِاسْتِدْرَاج (مہلت وڈھیل دینا) بھی کافروں کے حق میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کَیْد کی صورت ہے، جیسے فرمایا: ﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۗ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ﴾ ''ہم ان کو بتدریج لیے جا رہے ہیں اس طور پر کہ ان کو خبر بھی نہیں۔ اور میں ان کو مہلت دیتا ہوں بے شک میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔''[1]

[1] الأعراف 7:182-183

سُوْرَةُ الْاَعْلٰی

سُوْرَةُ الْاَعْلٰی (87) مَكِّيَّةٌ (8) | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُكُوْعُهَا 1 اٰيَاتُهَا 19

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے
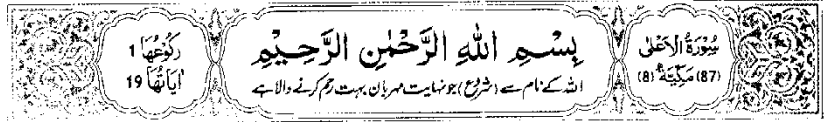
سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۙ﴿1﴾

آپ اپنے سب سے بلند رب کے نام کی تسبیح کریں①

رسول اللہ ﷺ یہ سورت اور سورۃ الغاشیہ عیدین اور جمعے کی نماز میں پڑھا کرتے تھے۔[1] اسی طرح آپ وتر کی پہلی رکعت میں سورۃ الاعلیٰ، دوسری میں سورۃ الکافرون اور تیسری میں سورۃ الاخلاص پڑھتے تھے۔[2] نبی اکرم ﷺ نے ایک موقعے پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جن سورتوں کے پڑھنے کی تلقین کی تھی ان میں ایک یہ بھی تھی۔[3]

[1] ایسی چیزوں سے اللہ کی پاکیزگی جو اس کے لائق نہیں ہیں۔

﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى﴾ کا جواب:

حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ اس کے جواب میں پڑھا کرتے تھے:

«سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى» ''پاک ہے میرا رب بلندتر۔''[4]

یاد رہے کہ چند سورتیں اور بھی ایسی ہیں جن کی آخری آیت کا جواب دیا جاتا ہے، جیسے سورۃ المرسلات اور سورۃ التین وغیرہ۔ لیکن یہ سب روایات ضعیف ہیں۔ صرف ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى﴾ اور سورۃ القیامہ کے آخری الفاظ کا جواب دینے والی روایات صحیح ہیں۔

جواب کون دے؟ صرف پڑھنے والا یا سننے والا بھی؟ بظاہر تو یہ حکم صرف پڑھنے والے ہی کے لیے معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں سامع کا ذکر نہیں ہے، اس لیے راجح قول یہی ہے، تاہم بعض علماء

① صحيح مسلم، الجمعة، باب ما يقرأ في صلاة الجمعة، حديث: 878

② سنن الكبرى للبيهقي: 37/3 والمستدرك للحاكم: 305/1

③ سنن النسائي، الافتتاح، باب القراءة في المغرب......، حديث: 985

④ مسند أحمد: 232/1 وسنن أبي داود، الصلاة، باب الدعاء في الصلاة، حديث: 883

الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ② وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی ③ وَالَّذِیْۤ اَخْرَجَ

جس نے پیدا کیا پھر ٹھیک ٹھاک بنایا② اور جس نے اندازہ کیا پھر ہدایت دی③ اور جس نے (زمین سے)

الْمَرْعٰی ④ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی ⑤ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰۤی ⑥

چارا نکالا④ پھر اسے خشک سیاہ کوڑا کرکٹ بنا دیا⑤ ہم جلد آپ کو پڑھائیں گے، پھر آپ نہ بھولیں گے⑥

اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا یَخْفٰی ⑦

مگر جو اللہ چاہے، بے شک وہ ظاہر کو جانتا ہے اور مخفی کو بھی⑦

کی رائے میں چونکہ سامع بھی مخاطب ہے، اس لیے اسے بھی جواب دینا چاہیے۔

[2] کائنات کی ہر چیز کو پیدا کیا اور ہر چیز کو اس کے مناسب قد و قامت بخشا۔ جس طرح کے استحکام اور وجود کا وہ متقاضی تھا، ویسا ہی استحکام اور وجود اسے عطا کیا۔ جس طرح کا فہم و شعور اس کے لیے ضروری تھا، اس سے اس کو نوازا۔ جس طرح کی صلاحیتوں اور قوتوں کی اس کو ضرورت تھی، وہ اس میں ودیعت کیں۔ تسویہ (ٹھیک ٹھاک کرنے) کے مفہوم میں یہ سب چیزیں شامل ہیں۔ اس کی مزید وضاحت سورۃ الانفطار، آیت: 7 کی تفسیر میں دیکھیں۔

[3] نیکی اور بدی کی، اسی طرح ضروریات زندگی کی۔ یہ ہدایت حیوانات کو بھی عطا فرمائی۔ ﴿ قَدَّرَ ﴾ (اندازہ کیا) کا مفہوم ہے، اشیاء کی جنسوں، ان کی انواع و صفات اور خصوصیات کا اندازہ فرما کر انسان کی بھی ان کی طرف رہنمائی فرما دی تا کہ انسان ان سے استفادہ کر سکے۔

[4] زمین سے مختلف قسم کے چارے پیدا کیے جو جانور کھاتے اور چرتے ہیں۔

[5] گھاس خشک ہو جائے تو اسے ﴿ غُثَآءً ﴾ کہتے ہیں، ﴿ اَحْوٰی ﴾، سیاہ کر دیا، یعنی تازہ اور شاداب گھاس کو ہم خشک کر کے سیاہ کوڑا بھی کر دیتے ہیں۔

[6] حضرت جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر آتے تو آپ اسے جلدی جلدی پڑھتے تا کہ بھول نہ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس طرح جلدی نہ کریں۔ نازل شدہ وحی ہم آپ کو پڑھوائیں گے، یعنی آپ کی زبان پر جاری کر دیں گے، پس آپ اسے بھولیں گے نہیں۔

[7] مگر جو اللہ چاہے گا لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں چاہا، اس لیے آپ کو سب کچھ یاد

وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ⑧ فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ⑨

اور ہم آپ کو آسان راستے کی توفیق دیں گے ⑧ پھر آپ نصیحت کیجئے اگر نصیحت نفع دے ⑨

سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ⑩

جو ڈرتا ہے وہ ضرور نصیحت قبول کرے گا ⑩

ہی رہا۔ بعض نے کہا کہ اس کا مفہوم ہے کہ جن کو اللہ منسوخ کرنا چاہے گا وہ آپ کو بھلوا دے گا۔[1] ﴿ يَعْلَمُ الْجَهْرَ ﴾ یہ عام ہے، جہر قرآن کا وہ حصہ بھی ہے جسے رسول اللہ ﷺ یاد کرلیں اور جو آپ کے سینے سے محو کر دیا جائے وہ مخفی ہے۔ اس طرح کوئی جہر، اونچی آواز سے پڑھے، کوئی خفی، پست آواز سے پڑھے، کوئی خفی، چھپ کر عمل کرے اور کوئی جہر، ظاہری عمل کرے، ان سب کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

[8] یہ بھی عام ہے، مثلاً: ہم آپ پر وحی آسان کر دیں گے تاکہ اس کو یاد کرنا اور اس پر عمل کرنا آسان ہو جائے۔ ہم آپ کی اس طریقے کی طرف رہنمائی کریں گے جو آسان ہو گا۔ ہم جنت والا عمل آپ کے لیے آسان کر دیں گے۔ ہم آپ کے لیے ایسے افعال و اقوال آسان کر دیں گے جن میں خیر ہو اور ہم آپ کے لیے ایسی شریعت مقرر کریں گے جو سہل، مستقیم اور معتدل ہو گی جس میں کوئی کجی، عسر اور تنگی نہیں ہو گی۔

[9] وعظ و نصیحت وہاں کریں جہاں محسوس ہو کہ فائدہ مند ہو گی۔ یہ وعظ و نصیحت اور تعلیم کے لیے ایک اصول اور ادب بیان فرما دیا۔[2] امام شوکانی رحمہ اللہ کے نزدیک مفہوم یہ ہے کہ آپ نصیحت کرتے رہیں، چاہے فائدہ دے یا نہ دے کیونکہ انذار و تبلیغ، فائدہ مند ہو یا نہ ہو، دونوں صورتوں میں آپ کے لیے ضروری تھی، یعنی «أَوْ لَمْ تَنْفَعْ» (یا فائدہ نہ دے) یہاں محذوف ہے۔[1]

[10] آپ کی نصیحت سے وہ یقیناً عبرت حاصل کریں گے جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف

① فتح القدير، الأعلى 7:87

② تفسير ابن كثير، الأعلى 9:87

وَ يَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ⑪ الَّذِىْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ⑫ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ

اور انتہائی بدبخت ہی اس سے دور رہے گا⑪ جو بہت بڑی آگ میں جائے گا⑫ پھر اس میں نہ وہ مرے گا

فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ⑬ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ⑭ وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ

اور نہ جیے گا ⑬ یقیناً فلاح پا گیا، جو پاک ہوا ⑭ اور اپنے رب کا نام یاد کیا

فَصَلّٰى ⑮ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ⑯ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ⑰

پھر نماز پڑھی⑮ بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو⑯ حالانکہ آخرت بہت بہتر اور باقی رہنے والی ہے⑰

ہوگا، ان میں خشیت الٰہی اور اپنی اصلاح کا جذبہ مزید قوی ہو جائے گا۔

[11] بدبخت اس نصیحت سے فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے کیونکہ ان کا کفر پر اصرار اور اللہ کی معصیتوں میں انہماک جاری رہتا ہے۔

گناہ گار مومنوں کا جہنم سے خروج:

[13] ان کے برعکس جو لوگ صرف اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لیے عارضی طور پر جہنم میں رہ گئے ہوں گے انھیں اللہ تعالیٰ ایک طرح کی موت دے دے گا حتی کہ وہ آگ میں جل کر کوئلہ ہو جائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ انبیاء وغیرہ کی سفارش سے ان کو گروہوں کی شکل میں نکالے گا، ان کو جنت کی نہر میں ڈالا جائے گا، جنتی بھی ان پر پانی ڈالیں گے جس سے وہ اس طرح جی اٹھیں گے جیسے سیلاب کے کوڑے پر دانہ اگ آتا ہے۔[2]

[14] جنھوں نے اپنے نفس کو اخلاق رذیلہ سے اور دلوں کو شرک و معصیت کی آلودگیوں سے پاک کر لیا۔

[17] کیونکہ دنیا اور اس کی ہر چیز فانی ہے جبکہ آخرت کی زندگی دائمی اور ابدی ہے، اس لیے

---

① فتح القدير، الأعلى 9:87

② صحيح البخاري، الإيمان، باب تفاضل أهل الإيمان في الأعمال، حديث: 22 و صحيح مسلم، الإيمان، باب إثبات الشفاعة و إخراج الموحدين من النار، حديث : 184-185

اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ﴿18﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ﴿19﴾

بے شک یہ (بات) پہلے صحیفوں میں بھی (کہی گئی) تھی ﴿18﴾ (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں ﴿19﴾

عقل مند فانی چیز کو باقی رہنے والی پر ترجیح نہیں دیتا۔

سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ

سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ (88) مَكِّيَّةٌ (68) | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رکوعہا 1 آیاتہا 26

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے
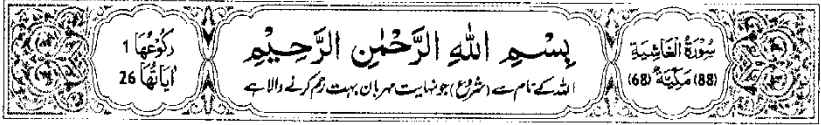
هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝1 وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝2

کیا آپ کو چھا جانے والی (قیامت) کی خبر پہنچی ہے؟ ①اس دن کئی چہرے ذلیل ہوں گے ②

عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝3 تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝4 تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝5

سخت محنت کرنیوالے تھکے ماندے ہونگے ③دہکتی آگ میں داخل ہونگے ④انھیں گرم کھولتے چشمے کا پانی پلایا جائیگا⑤

بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعے کی نماز میں سورۃ الجمعہ کے ساتھ سورۃ الغاشیہ بھی پڑھتے تھے۔[1]

[1] ﴿هَلْ﴾ بمعنی قَدْ (تحقیق) ہے۔ ﴿الْغَاشِيَةِ﴾ (چھا جانے والی) سے مراد قیامت ہے، اس لیے کہ اس کی ہولناکیاں تمام مخلوق کو ڈھانک لیں گی۔

[2] ﴿وُجُوْهٌ﴾ ''کئی چہرے'' یعنی کافروں کے چہرے۔ ﴿خَاشِعَةٌ﴾ جھکے ہوئے، پست اور ذلیل، جیسے نمازی نماز کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی اور تذلل سے جھکا ہوتا ہے۔

[3] ﴿نَّاصِبَةٌ﴾ کے معنی ہیں، تھک کر چور ہو جانا، یعنی انھیں اتنا پُر مشقت عذاب ہوگا کہ اس سے ان کا سخت برا حال ہوگا۔ اس کا ایک دوسرا مفہوم یہ ہے کہ دنیا میں عمل کر کر کے تھکے ہوئے ہوں گے، یعنی بہت عمل کرتے رہے ہوں گے لیکن وہ عمل باطل مذہب کے مطابق یا بدعات پر مبنی ہوں گے، اس لیے ''عبادات'' اور ''اعمال شاقہ'' کے باوجود جہنم میں جائیں گے۔ چنانچہ اسی مفہوم کی رو سے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ﴾ سے نصاریٰ مراد لیے ہیں۔[2]

[5] یہاں وہ سخت کھولتا ہوا پانی مراد ہے جس کی گرمی انتہا کو پہنچی ہوئی ہو۔[3]

① صحيح مسلم، الجمعة، باب مايقرأ في صلاة الجمعة، حديث: 878

② صحيح البخاري، التفسير، باب سورة ﴿هَلْ اَتٰىكَ﴾

③ فتح القدير، الغاشية 5:88

لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ⑥ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ⑦

ان کا طعام صرف خاردار جھاڑیاں ہوگا ⑥ جو نہ موٹا کرے گا اور نہ بھوک مٹائے گا ⑦

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ⑧ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ⑨ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ⑩

اس دن کئی چہرے تروتازہ ہوں گے ⑧ اپنی کوشش پر خوش ہوں گے ⑨ بہشت بریں میں ہوں گے ⑩

لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ⑪ فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ⑫ فِيْهَا سُرُرٌ

وہ اس میں کوئی لغو بات نہ سنیں گے ⑪ اس میں ایک چشمہ جاری ہوگا ⑫ اس میں اونچے

مَّرْفُوْعَةٌ ⑬ وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ⑭ وَّنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ⑮

تخت ہوں گے ⑬ اور جام رکھے ہوں گے ⑭ اور قطاروں میں گاؤ تکیے لگے ہوں گے ⑮

وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ⑯ اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ⑰ وقفة

اور عمدہ غالیچے بچھے ہوں گے ⑯ کیا وہ اونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے پیدا کیے گئے ہیں؟ ⑰

[6] ﴿ضَرِيْعٍ﴾ ایک کانٹے دار درخت ہوتا ہے جسے خشک ہونے پر جانور بھی کھانا پسند نہیں کرتے۔ بہرحال یہ بھی زَقُّوم (تھوہر) کی طرح ایک نہایت تلخ، بدمزہ اور ناپاک ترین کھانا ہوگا جو جزو بدن بنے گا، نہ اس سے بھوک ہی مٹے گی۔

[16] یہ اہل جنت کا تذکرہ ہے جو جہنمیوں کے برعکس نہایت آسودہ حال اور ہر قسم کی آسائشوں سے بہرہ ور ہوں گے۔ ﴿عَيْنٌ﴾ (چشمہ) بطور جنس کے ہے، یعنی متعدد چشمے ہوں گے۔ ﴿نَمَارِقُ﴾ بمعنی وَسَائِد (تکیے) ہے۔ ﴿زَرَابِيُّ﴾ مسندیں، قالین، گدے اور بستر۔ ﴿مَبْثُوْثَةٌ﴾ پھیلی ہوئی، یعنی یہ مسندیں جگہ جگہ بچھی ہوں گی۔ اہل جنت جہاں آرام کرنا چاہیں گے، کر سکیں گے۔

اونٹ کی پیدائش کا ذکر کیوں؟:

[17] اونٹ عرب میں عام تھے اور ان عربوں کی غالب سواری یہی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسی کا ذکر کر کے فرمایا کہ اس کی خلقت پر غور کرو، اللہ نے اسے کتنا بڑا وجود عطا کیا ہے اور کتنی

وَإِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿18﴾ وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿19﴾

اور آسمان کی طرف کہ کیسے بلند کیا گیا ہے ﴿18﴾ اور پہاڑوں کی طرف کہ کیسے گاڑے گئے ہیں ﴿19﴾

وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿20﴾ فَذَكِّرْ إِنَّمَآ أَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿21﴾

اور زمین کی طرف کہ کیسے بچھائی گئی ہے﴿20﴾ چنانچہ آپ نصیحت کیجیے، آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہیں﴿21﴾

لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ ﴿22﴾ إِلَّا مَن تَوَلَّىٰ وَكَفَرَ ﴿23﴾

آپ ان پر کوئی فوج دار نہیں﴿22﴾ مگر جس نے منہ موڑا اور کفر کیا﴿23﴾

قوت وطاقت اس کے اندر رکھی ہے۔ اس کے باوجود وہ تمھارے لیے مطیع اور تابع ہے، تم اس پر جتنا چاہو بوجھ لاد دو، وہ انکار نہیں کرے گا، تمھارا ماتحت ہو کر رہے گا۔ علاوہ ازیں اس کا گوشت تمھارے کھانے کے، اس کا دودھ تمھارے پینے کے اور اس کی اون گرمی حاصل کرنے کے کام آتی ہے۔

[18] آسمان کتنی بلندی پر ہے، پانچ سو سال کی مسافت پر، پھر بھی بغیر ستون کے وہ کھڑا ہے۔ اس میں کوئی شگاف اور کجی بھی نہیں ہے، نیز ہم نے اسے ستاروں سے مزین کیا ہوا ہے۔

[19] کس طرح انھیں زمین پر میخوں کی طرح گاڑ دیا گیا ہے تاکہ زمین حرکت نہ کرے، نیز ان میں جو معدنیات اور دیگر منافع ہیں، وہ اس کے علاوہ ہیں۔

[20] کس طرح اسے ہموار کر کے انسان کے رہنے کے قابل بنایا ہے، وہ اس پر چلتا پھرتا، کاروبار کرتا اور فلک بوس عمارتیں تعمیر کرتا ہے۔

[21] آپ کا کام صرف تذکیر اور تبلیغ ودعوت ہے، اس کے علاوہ یا اس سے بڑھ کر نہیں۔

[22] کہ انھیں ایمان لانے پر مجبور کریں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ہجرت سے قبل کا حکم ہے جو آیتِ سیف سے منسوخ ہو گیا کیونکہ اس کے بعد نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا:

«أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، فَإِذَا قَالُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، عَصَمُوا مِنِّي دِمَائَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ»

فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ﴿24﴾ اِنَّ اِلَيْنَآ اِيَابَهُمْ ﴿25﴾ ثُمَّ اِنَّ

تو اسے اللہ بہت بڑا عذاب دے گا﴿24﴾ بے شک ہماری ہی طرف ان کی واپسی ہے﴿25﴾ پھر بے شک

عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿26﴾

ان کا حساب لینا ہمارے ہی ذمے ہے﴿26﴾

ع 1 26 13

”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ (اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں) کا اقرار کرلیں۔ جب وہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کا اقرار کرلیں گے تو انھوں نے مجھ سے اپنے خونوں اور مالوں کو بچا لیا۔ سوائے حق اسلام کے اور ان کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔“①

[24] جہنم کا دائمی عذاب۔

سورۃ الغاشیہ کے آخر میں مخصوص دعا پڑھنا ثابت نہیں:

[26] مشہور ہے کہ اس کے جواب میں «اَللّٰهُمَّ حَاسِبْنَا حِسَابًا يَّسِيرًا» (اے اللہ! ہمارا آسان حساب فرمانا) پڑھا جائے۔ یہ دعا تو نبی ﷺ سے ثابت ہے، جو آپ اپنی بعض نمازوں میں پڑھتے تھے جیسا کہ سورۂ انشقاق آیت: 8 کی تفسیر میں گزر چکا ہے لیکن ﴿ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ﴾ کے جواب میں پڑھنا نبی ﷺ سے ثابت نہیں ہے، اس لیے اس موقع پر اس کا پڑھنا صحیح نہیں ہے۔

① صحيح البخاري، الزكاة، باب و جوب الزكاة، حديث :1399 وصحيح مسلم ، الإيمان، باب الأمر بقتال الناس حتى يقولوا ......، حديث : 21

سُوْرَةُ الْفَجْرِ
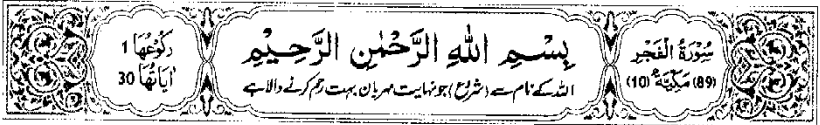
وَالْفَجْرِ ① وَلَيَالٍ عَشْرٍ ②

قسم ہے فجر کی ① اور دس راتوں کی ②

[1] اس سے مراد مطلق فجر ہے، کسی خاص دن کی فجر نہیں۔

عشرۂ ذوالحجہ کی فضیلت:

[2] اس سے اکثر مفسرین کے نزدیک ذوالحجہ کی ابتدائی دس راتیں ہیں جن کی فضیلت احادیث سے ثابت ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنْ أَيَّامٍ الْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيهِنَّ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الأَيَّامِ الْعَشْرِ»

''عشرۂ ذوالحجہ کے مقابلے میں دوسرے کوئی ایام ایسے نہیں جن میں عمل صالح اللہ کو ان دنوں سے زیادہ محبوب ہو۔''

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: «يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ؟»

''اے اللہ کے رسول! اللہ کی راہ میں جہاد کرنا بھی نہیں؟''

آپ نے فرمایا:

«وَلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، إِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهِ وَمَالِهِ فَلَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذٰلِكَ بِشَيْءٍ»

''اللہ کی راہ میں جہاد کرنا بھی نہیں، سوائے اس شخص کے جو اپنی جان اور مال لے کر (جہاد کے لیے) نکلا اور پھر کسی چیز کے ساتھ واپس نہیں آیا۔''①

① صحيح البخاري، العيدين، باب فضل العمل في أيام التشريق، حديث: 969 و جامع الترمذي، الصوم، باب ماجاء في العمل في أيام العشر، حديث: 757

وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ③ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ④ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ

اور جفت اور طاق کی ③اور رات کی جبکہ وہ بیت رہی ہو ④یقیناً ان (چیزوں) میں

قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ⑤

صاحب عقل کے لیے معتبر قسم ہے⑤

[3] اس سے مراد جفت اور طاق عدد ہیں یا وہ معدودات جو جفت اور طاق ہوتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دراصل مخلوق کی قسم ہے، اس لیے کہ مخلوق جفت (جوڑا) یا طاق (فرد) ہے۔ اس کے علاوہ نہیں۔[1]

[4] جب آئے اور جب جائے کیونکہ سَیر (چلنا) آتے جاتے دونوں صورتوں میں ہوتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ يَمْضِي کے معنی میں ہے "جب گزر جاتی ہے۔" ﴿يَسْرِ﴾ اصل میں يَسْرِيْ ہے۔ یاء کو فواصلِ آیات کی مناسبت سے حذف کر دیا گیا ہے۔

[5] ﴿ذٰلِكَ﴾ سے مذکورہ مقسم بہ اشیاء (جن چیزوں کی قسم کھائی گئی) کی طرف اشارہ ہے، یعنی کیا ان کی قسم اہل عقل و دانش کے واسطے کافی نہیں ہے؟ ﴿حِجْرٍ﴾ کے معنی ہوتے ہیں، روکنا، منع کرنا۔ انسانی عقل بھی انسان کو غلط کاموں سے روکتی ہے، اس لیے عقل کو بھی حجر کہا جاتا ہے جس طرح اسی مفہوم کے اعتبار سے اسے نُهْيَة (روکنا، منع کرنا) بھی کہتے ہیں۔ اس کا جواب قسم یا مقسم علیہ (جس پر قسم کھائی گئی) ﴿لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ﴾ "تمھیں ضرور اُٹھایا جائے گا، پھر تمھیں ضرور جتائے جائیں گے جو تم نے عمل کیے"[2] ہے کیونکہ مکی سورتوں میں عقیدے کی اصلاح پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ بعض کے نزدیک جواب قسم آگے آنے والے الفاظ ہیں: ﴿اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ﴾ "بے شک آپ کا رب گھات میں ہے"[3]

اس کے بعد بہ طریق استشہاد اللہ تعالیٰ بعض ان قوموں کا ذکر فرما رہا ہے جو تکذیب وعناد کی بنا پر

① أيسر التفاسير، الفجر3:89

② التغابن 7:64

③ أيسر التفاسير، الفجر5:89 و تفسير القاسمي: 5/89

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝6

کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ آپ کے رب نے عاد کے ساتھ کیسا سلوک کیا تھا؟⑥

اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝7 الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝8

(عاد) ارم جو اونچے ستونوں والے تھے ⑦ جن کے مانند کوئی قوم ملکوں میں پیدا نہیں کی گئی ⑧

ہلاک کی گئی تھیں۔ مقصد اہل مکہ کو تنبیہ ہے کہ اگر تم ہمارے رسول کی تکذیب سے باز نہ آئے تو تمھارا بھی اسی طرح مؤاخذہ ہوسکتا ہے، جیسے گزشتہ قوموں کا اللہ تعالیٰ نے کیا۔

[6] ان کی طرف حضرت ہود علیہ السلام نبی بنا کر بھیجے گئے تھے، ان کا علاقہ عمان اور حضرموت کے درمیان تھا جسے دوسرے مقام پر ﴿ بِالْاَحْقَافِ ﴾ (ریتلی جگہیں) سے تعبیر کیا گیا ہے۔[1] انھوں نے تکذیب کی، بالآخر اللہ تعالیٰ نے سخت ہوا کا عذاب ان پر نازل کیا جو متواتر سات راتیں اور آٹھ دن چلتی رہی اور انھیں تہس نہس کر کے رکھ دیا۔[2]

[7] ﴿ اِرَمَ ﴾ عاد سے عطف بیان یا بدل ہے۔ یہ قوم عاد کے دادا کا نام ہے۔ ان کا سلسلۂ نسب ہے: عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح۔[3] اس کا مقصد یہ وضاحت ہے کہ یہ عادِ اُولیٰ ہی کا دوسرا نام ہے۔ ﴿ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴾ (ستونوں والے) سے اشارہ ہے ان کی قوت و طاقت اور دراز قامتی کی طرف۔ علاوہ ازیں وہ فن تعمیر میں بھی بڑی مہارت رکھتے تھے اور نہایت مضبوط بنیادوں پر عظیم الشان عمارتیں تعمیر کرتے تھے۔ ﴿ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴾ میں دونوں ہی مفہوم شامل ہو سکتے ہیں۔

[8] ان جیسی دراز قامت اور قوت و طاقت والی قوم کوئی اور پیدا نہیں ہوئی۔ یہ قوم کہا کرتی تھی: ﴿ مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ط ﴾ ''ہم سے زیادہ کون طاقت ور ہے؟''[4]

---

① الأحقاف 21:46 ② الحآقة 69: 6-8

③ الکامل فی التاریخ: 65/1

④ حمٓ السجدہ 15:41

وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ⑨ وَفِرْعَوْنَ ذِى الْاَوْتَادِ ⑩

اور ثمود کے ساتھ جو وادی میں چٹانیں تراشتے تھے ⑨ اور فرعون میخوں والے کے ساتھ ⑩

الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ⑪ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ⑫ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ

وہ جنھوں نے شہروں میں سرکشی کی ⑪ اور ان میں بہت زیادہ فساد پھیلایا ⑫ تب آپ کے رب نے ان پر

رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ⑬ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ⑭ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا

عذاب کا کوڑا برسایا ⑬ بے شک آپ کا رب (مجرموں کی) گھات میں ہے ⑭ لیکن انسان جو ہے، جب اس کا

مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ⑮

رب اسے آزمائے اور اسے عزت اور نعمت دے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے عزت بخشی ⑮

[9] یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم تھی، اللہ تعالیٰ نے اسے پتھر تراشنے کی خاص صلاحیت و قوت عطا کی تھی حتی کہ یہ لوگ پہاڑوں کو تراش کر ان میں اپنی رہائش گاہیں تعمیر کر لیتے تھے جیسا کہ قرآن نے کہا ہے: ﴿ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ﴾ ''اور تم پہاڑوں کو تراش کر پُر تکلف مکان بناتے ہو۔''[1] ان کا علاقہ حِجر تھا جو شام اور حجاز کے درمیان تھا۔

[10] اس کا مطلب یہ ہے کہ بڑے لشکروں والا تھا جس کے پاس خیموں کی کثرت تھی جنھیں میخیں گاڑ کر کھڑا کیا جاتا تھا یا اس سے اس کے ظلم و ستم کی طرف اشارہ ہے کہ میخوں کے ذریعے سے وہ لوگوں کو سزائیں دیتا تھا۔[2]

[13] ان پر آسمان سے اپنا عذاب نازل فرما کر ان کو تباہ و برباد، یا انھیں عبرت ناک انجام سے دوچار کر دیا۔ ﴿ فَصَبَّ ﴾ کے معنی بہانے، ڈالنے کے ہیں، یہاں اس کے معنی تازیانۂ عذاب کی مناسبت سے نازل کرنے یا برسانے کے کیے گئے ہیں۔

[14] تمام مخلوقات کے اعمال دیکھ رہا ہے اور اس کے مطابق وہ دنیا اور آخرت میں جزا دیتا ہے۔

[15] جب اللہ تعالیٰ کسی کو رزق و دولت کی فراوانی عطا فرماتا ہے تو وہ اپنی بابت اس غلط فہمی کا شکار

① الشعراء149:26

② فتح القدير، الفجر 10:89

وَاَمَّاۤ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ۬ فَيَقُوْلُ رَبِّيْۤ اَهَانَنِ ﴿16﴾

مگر جب وہ اسے آزمائے اور اس کا رزق اس پر تنگ کر دے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا﴿16﴾

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ﴿17﴾ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿18﴾

ہرگز نہیں! بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے﴿17﴾ اور باہم مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے﴿18﴾

ہو جاتا ہے کہ اللہ اس پر بہت مہربان ہے، حالانکہ یہ فراوانی امتحان اور آزمائش کے طور پر ہوتی ہے۔

[16] وہ تنگی میں مبتلا کر کے آزماتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدگمانی کا اظہار کرتا ہے۔

[17] ﴿كَلَّا﴾ ''ہرگز نہیں'' یعنی بات اس طرح نہیں ہے جیسے لوگ سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مال اپنے محبوب بندوں کو بھی دیتا ہے اور ناپسندیدہ افراد کو بھی، تنگی میں بھی وہ اپنوں اور بیگانوں دونوں کو مبتلا کرتا ہے۔ اصل مدار دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ہے۔ جب اللہ مال دے تو اللہ کا شکر کرے، تنگی آئے تو صبر کرے۔ ﴿بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ﴾ ''بلکہ نہیں قدر کرتے تم یتیم کی'' یعنی ان کے ساتھ وہ حسن سلوک نہیں کرتے جس کے وہ مستحق ہیں۔

یتیم کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید اور اس کی فضیلت:

سنن ابن ماجہ میں حدیث ہے:

«خَيْرُ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِينَ بَيْتٌ فِيهِ يَتِيمٌ يُحْسَنُ إِلَيْهِ، وَشَرُّ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِينَ بَيْتٌ فِيهِ يَتِيمٌ يُسَاءُ إِلَيْهِ»

''مسلمانوں کے گھروں میں وہ گھر سب سے بہتر ہے جس میں یتیم ہو، اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جاتا ہو اور مسلمانوں کے گھروں میں وہ گھر بدترین ہے جس میں یتیم ہو، اس کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہو۔''[1]

یہ روایت اگرچہ ضعیف ہے[2] لیکن اس مفہوم کی تائید کی آگے آنے والی روایت سے ہو جاتی

[1] سنن ابن ماجه، الأدب، باب حق اليتيم، حديث: 3679

[2] سلسلة الأحاديث الضعيفة للألباني، حديث: 1637

وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ⑲ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ⑳ كَلَّآ

اور تم میراث کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو⑲ اور تم مال سے جی بھر کر پیار کرتے ہو⑳ ہرگز نہیں!

اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ㉑ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ㉒

جب زمین خوب کوٹ کر ہموار کر دی جائے گی㉑ اور آپ کا رب اور فرشتے صف در صف آئیں گے㉒

ہے جو صحیح ہے نبی ﷺ نے فرمایا:

«أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ كَهَاتَيْنِ فِي الْجَنَّةِ»

''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں ایسے ہوں گے۔''

اور آپ نے اپنی درمیان والی اور شہادت والی انگلی کو ملا کر اشارہ فرمایا۔[1]

[19] جس طریقے سے بھی حاصل ہو، حلال طریقے سے یا حرام طریقے سے ﴿لَمًّا﴾ بمعنی جَمْعًا، یعنی سارے کا سارا، سمیٹ سمیٹ کر۔

[20] ﴿جَمًّا﴾ بمعنی كَثِيرًا ''بہت زیادہ۔''

[21] ﴿كَلَّآ﴾ ''ہرگز نہیں''، یعنی تمھارا عمل ایسا نہیں ہونا چاہیے جو مذکور ہوا کیونکہ ایک وقت آنے والا ہے جب......

[22] کہا جاتا ہے کہ جب فرشتے قیامت والے دن آسمان سے نیچے اتریں گے تو ہر آسمان کے فرشتوں کی الگ صف ہوگی، اس طرح سات صفیں ہوں گی جو زمین کو گھیر لیں گی۔ اس میں فرشتوں کے آنے کے ساتھ رب کے آنے کا بھی ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کس طرح آئے گا؟ اس کی صفات کی طرح، اس کی ذات کی بابت بھی ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ صرف اس کے ظاہری الفاظ کے مطابق ہم یقین رکھیں گے۔ ہم اس کی کیفیت بیان کر سکتے ہیں، نہ اسے کسی کے ساتھ تشبیہ ہی دے سکتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اس کی دور از کار تاویل یا تحریف کر کے اس کا انکار

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب فضل من يعول يتيمًا، حديث :6005 وصحيح مسلم، الزهد، باب فضل الإحسان إلى الأرملة والمسكين واليتيم، حديث : 2983 وسنن أبي داود، الأدب، باب في من ضم يتيمًا، حديث :5150

وَجِايْٓءَ يَوْمَىٕذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ۬ يَوْمَىٕذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ

اور اس دن جہنم (سامنے) لائی جائے گی،اس دن انسان (اپنے کرتوت) یاد کرے گا

وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ؕ﴿23﴾

اور یہ یاد کرنا اس کے لیے کیونکر (مفید) ہوگا﴿23﴾

ہی کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی بابت جو کچھ قرآن یا احادیث میں بیان ہوا ہے اس کے مطابق ان پر بلا تشبیہ و بلا کیفیت ایمان رکھنا سلف کا عقیدہ ہے۔

جہنم کے لائے جانے کی کیفیت اور مقرب فرشتوں اور انبیاء کی پکار:

[23] رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يُؤْتٰى بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ، لَّهَا سَبْعُونَ أَلْفَ زِمَامٍ، مَّعَ كُلِّ زِمَامٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ يَّجُرُّونَهَا»

''اس دن (قیامت والے دن) جہنم کو اس حالت میں لایا جائے گا کہ اس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی، ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے کھینچ رہے ہوں گے۔''[1]

اسے عرش کے بائیں جانب کھڑا کر دیا جائے گا، پس اسے دیکھ کر تمام مقرب فرشتے اور انبیاء گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے اور «يَا رَبِّ نَفْسِي نَفْسِي» پکاریں گے۔[2]

﴿يَوْمَىٕذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ﴾ ''اس دن یاد کرے گا انسان (اپنے کرتوت)'' ﴿وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى﴾ ''اور کیونکر (مفید) ہوگا اس کے لیے یاد کرنا۔'' یعنی یہ ہولناک منظر دیکھ کر انسان کی آنکھیں کھلیں گی اور اپنے کفر و معاصی پر نادم ہوگا۔ ﴿يَّتَذَكَّرُ﴾ کے معنی یاد کرنے یا نصیحت حاصل کرنے کے کیے گئے ہیں اور بعض نے مرادی معنی نادم ہونے کے بھی کیے ہیں کیونکہ اس کا

---

[1] صحيح مسلم، الجنة ونعيمها، باب جهنم أعاذنا الله منها، حديث :2842 وجامع الترمذی، صفة جهنم، باب ماجاء في صفة النار، حديث :2573

[2] فتح القدير، الفجر 23:89

يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ﴿24﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗۤ

وہ کہے گا: کاش! میں نے اپنی اس زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتا﴿24﴾ چنانچہ اس دن اس جیسا عذاب

اَحَدٌ ﴿25﴾ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗۤ اَحَدٌ ﴿26﴾ يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿27﴾

دینے والا اور کوئی نہیں ہوگا﴿25﴾ اور اس جیسا جکڑنے والا بھی اور کوئی نہیں ہوگا﴿26﴾ اے مطمئن روح!﴿27﴾

ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿28﴾

تو اپنے رب کی طرف چل اس حال میں کہ تو اس سے راضی، وہ تجھ سے راضی﴿28﴾

اصل مفہوم یہاں بھی یہی ہے، وہاں انسان اپنے اعمال اور کوتاہیوں کو یاد کر کے سخت نادم ہوگا لیکن یہ ندامت وہاں مفید نہیں ہوگی کیونکہ وہاں کوتاہیوں کا ازالہ ممکن نہیں ہوگا۔

[24] یہ افسوس اور حسرت کا اظہار اسی ندامت کا حصہ ہے جو اس روز فائدہ مند نہیں ہوگی۔ ﴿لِحَيَاتِيْ﴾ میں لام تعلیل کے لیے ہے، یعنی اس زندگی کے لیے نیکیاں کر کے بھیجتا۔ یا لام توقیت کے لیے ہے، یعنی اس وقت جب مجھے دنیوی زندگی حاصل تھی، میں نیکیاں کر کے آخرت کے لیے بھیجتا تو آج یہ ندامت نہ ہوتی۔

[26] اس لیے کہ اس روز تمام اختیارات صرف ایک اللہ کے پاس ہوں گے۔ دوسرے، کسی کو اس کے سامنے یارائے دم زنی (چوں بھی کرنے کا حوصلہ) نہیں ہوگا حتی کہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کی سفارش تک نہیں کر سکے گا۔ ایسے حالات میں کافروں کو جو عذاب ہوگا اور جس طرح وہ اللہ کی قید و بند میں جکڑے ہوں گے اس کا یہاں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، چہ جائیکہ اس کا کچھ اندازہ ممکن ہو۔ یہ تو مجرموں اور ظالموں کا حال ہوگا لیکن اہل ایمان و طاعت کا حال اس سے بالکل مختلف ہوگا جیسا کہ اگلی آیات میں ہے۔

[28] ﴿ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ﴾ ''تو لوٹ اپنے رب کی طرف'' یعنی اس کے اجر و ثواب اور ان نعمتوں کی طرف جو اس نے اپنے بندوں کے لیے جنت میں تیار کی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ قیامت والے دن کہا جائے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ موت کے وقت بھی فرشتے خوشخبری دیتے ہیں، اسی طرح

فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿29﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿30﴾

ع 1 30 14

پھر تو میرے بندوں میں داخل ہو جا﴿29﴾ اور میری جنت میں داخل ہو جا﴿30﴾

قیامت والے دن بھی اسے یہ کہا جائے گا جو یہاں مذکور ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ابن عساکر رحمہ اللہ کے حوالے سے ایک اچھی دعا نقل کی ہے جو حسب ذیل ہے:

«اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ نَفْسًا بِكَ مُطْمَئِنَّةً، تُؤْمِنُ بِلِقَائِكَ وَتَرْضٰى بِقَضَائِكَ وَتَقْنَعُ بِعَطَائِكَ»

”اے اللہ! میں تجھ سے ایسے نفس کا سوال کرتا ہوں جو تیرے ساتھ مطمئن ہو، تیری ملاقات پر یقین رکھے، تیرے فیصلوں پر راضی رہے اور تیرے دیے ہوئے پر قناعت کرے۔“[1]

[1] تفسیر ابن کثیر، الفجر 30,27:89 و تاریخ دمشق لابن عساکر: 117/73

سُوْرَةُ الْبَلَدِ (90) مَكِّيَّةٌ (35) | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رکوعھا 1 آیاتھا 20

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے
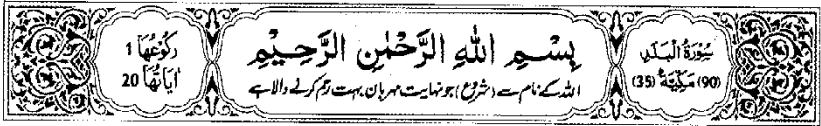
لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ① وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ②

میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی ① اور آپ کے لیے اس شہر میں لڑائی حلال ہونے والی ہے ②

[1] اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے جس میں اس وقت جب اس سورت کا نزول ہوا، نبیٔ کریم ﷺ کا قیام تھا، آپ کا مولد بھی یہی شہر تھا، یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کے مولد و مسکن کی قسم کھائی جس سے اس کی عظمت کی مزید وضاحت ہوتی ہے۔

[2] اس میں مستقبل کی بابت ایک وعدہ ہے جس میں نبی ﷺ کے لیے تسلی کا پہلو ہے اور یہ اشارہ ہے اس وقت کی طرف جب مکہ فتح ہوا، اس وقت اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے لیے اس بلدِ حرام میں قتال کو حلال فرما دیا تھا جبکہ اس شہر میں لڑائی کی اجازت نہیں ہے۔

شہرِ مکہ کی حرمت:

حدیث میں آتا ہے، نبی ﷺ نے فتح مکہ والے دن فرمایا:

«إِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ حَرَّمَهُ اللّٰهُ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ، فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَإِنَّهُ لَمْ يَحِلَّ الْقِتَالُ فِيهِ لِأَحَدٍ قَبْلِي، وَلَمْ يَحِلَّ لِي إِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ، فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، لَا يُعْضَدُ شَوْكُهُ، وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهُ، وَلَا يَلْتَقِطُ لُقَطَتَهُ إِلَّا مَنْ عَرَّفَهَا، وَلَا يُخْتَلٰى خَلَاهَا»

”اس شہر کو اللہ نے اس دن سے حرمت والا بنایا ہے جب سے اس نے آسمان و زمین پیدا کیے، پس وہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حرمت سے قیامت تک حرام ہے۔ اور بے شک مجھ سے پہلے کسی ایک کے لیے بھی اس میں قتال کرنا حلال نہیں تھا اور میرے لیے صرف دن کی

ایک ساعت (گھڑی) حلال ہوا تھا، پس وہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حرمت سے قیامت کے دن تک حرام ہے۔ نہ اس کا کانٹا اکھاڑا جائے گا، نہ اس کا شکار بھگایا جائے گا، نہ کوئی اس کی گری پڑی چیز اٹھائے مگر وہ (اٹھائے) جو اس کی تشہیر کرے (تاکہ جس کی ہو اسے دیدے) اور نہ اس کی ہری گھاس اکھاڑی جائے گی۔'' سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے کہا: «يَا رَسُولَ اللهِ! إِلَّا الْإِذْخِرَ، فَإِنَّهُ لِقَيْنِهِمْ وَلِبُيُوتِهِمْ» ''اے اللہ کے رسول! سوائے اذخر کے[1] (اس کی اجازت دیجیے)، پس بے شک وہ ان کے لوہاروں کے کام آتی ہے اور ان کے گھروں کے لیے ہے۔'' آپ نے فرمایا: «إِلَّا الْإِذْخِرَ» ''سوائے اذخر کے (کہ اسے کاٹا جا سکتا ہے)۔''[2]

اور ایک حدیث میں ہے:

«إِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَهَا اللهُ وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ، فَلَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يَّسْفِكَ بِهَا دَمًا وَّلَا يَعْضِدَ بِهَا شَجَرَةً، فَإِنْ أَحَدٌ تَرَخَّصَ لِقِتَالِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِيهَا فَقُولُوا لَهُ: إِنَّ اللهَ قَدْ أَذِنَ لِرَسُولِهِ ﷺ وَلَمْ يَأْذَنْ لَكُمْ، وَإِنَّما أَذِنَ لِي فِيهَا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ، ثُمَّ عَادَتْ حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالْأَمْسِ، وَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ»

''بے شک مکہ کو اللہ نے حرام کیا ہے، لوگوں نے حرام نہیں کیا، لہٰذا اگر کوئی شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو تو اس کے لیے حلال نہیں کہ مکہ میں خونریزی کرے۔ اور نہ وہاں سے کوئی درخت کاٹے۔ اگر کوئی شخص اللہ کے رسول ﷺ کے قتال سے جواز پیدا کرے تو اس سے کہو کہ اللہ نے اپنے رسول کو تو اجازت دی تھی لیکن تمھیں اس نے یہ

---

① اذخر ایک خوشبودار گھاس ہے جو بالکل کھجور کی چھال کی مانند ہوتی ہے

② صحيح مسلم، الحج، باب تحريم مكة وتحريم صيدها......، حديث:1353-1355

وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ③ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ④ اَيَحْسَبُ

اور قسم ہے والد (آدم) کی اور اس کی اولاد کی ③ بلاشبہ ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں پیدا کیا ہے ④ کیا وہ سمجھتا

اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ⑤

ہے کہ اس پر کوئی بھی قابو نہ پاسکے گا؟ ⑤

وقف لازم

اجازت نہیں دی۔ اور مجھے بھی دن میں کچھ وقت کے لیے اجازت ہوئی تھی۔ اور آج اس کی حرمت پھر ویسے ہی ہوگئی جیسے کل تھی۔ جو شخص یہاں حاضر ہے، اسے چاہیے کہ غائب کو یہ خبر پہنچا دے۔''①

اس اعتبار سے معنی ہوں گے ''وَأَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ فِي الْمُسْتَقْبَلِ'' اے پیغمبر! آپ کے لیے (لڑائی) حلال ہونے والی ہے اس شہر میں۔'' بعض نے اس کے معنی کیے ہیں کہ آپ اس شہر میں رہنے والے ہیں۔ جس کی وجہ سے اس شہر کو خاص عظمت حاصل ہے۔ اس صورت میں ﴿حِلٌّ﴾ حَالٌّ کے معنی میں ہوگا۔ ایک تیسرے معنی مُسْتَحِلٌّ کے کیے گئے ہیں، یعنی آپ سے تعرض کرنے اور آپ کو ایذا پہنچانے کو حلال کرلیا گیا ہے جبکہ یہی کفار مکہ اس شہر میں جانور تک کا شکار کرنا حلال نہیں سمجھتے۔ اس میں گویا اہل مکہ کی اس شدید عداوت پر تعجب کا اظہار ہے جو ان کو نبی ﷺ کے ساتھ تھی۔ بہر حال جو بھی معنی لیے جائیں، یہ جملہ معترضہ ہے۔

[3] بعض نے اس سے مراد آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد لی ہے اور بعض کے نزدیک یہ عام ہے، ہر باپ اور اس کی اولاد اس میں شامل ہے۔

[4] اس کی زندگی محنت و مشقت اور شدائد سے معمور ہے۔ امام طبری رحمہ اللہ نے اسی مفہوم کو اختیار کیا ہے۔ یہ جواب قسم ہے۔②

[5] کوئی اس کی گرفت کرنے پر قادر نہیں؟

---

① صحیح البخاری، العلم، باب لیبلغ العلم الشاهد الغائب، حدیث :104 و صحیح مسلم، الحج، باب تحریم مكة وتحریم صیدها......، حدیث : 1354

② تفسیر الطبری، البلد 4:90

يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ⑥ اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗٓ اَحَدٌ ⑦ اَلَمْ نَجْعَلْ

وہ کہتا ہے کہ میں نے ڈھیروں مال لٹا دیا⑥ کیا وہ سمجھتا ہے کہ اسے کسی نے نہیں دیکھا؟⑦ کیا ہم نے

لَّهٗ عَيْنَيْنِ ⑧ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ⑨ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ⑩

اسے دو آنکھیں نہیں دیں؟⑧ اور زبان اور دو ہونٹ؟⑨ اور ہم نے اسے دونوں راستے سمجھا دیے⑩

[6] ﴿لُّبَدًا﴾ کثیر، ڈھیر، یعنی دنیا کے معاملات اور فضولیات میں خوب پیسہ اڑاتا ہے، پھر فخر کے طور پر لوگوں کے سامنے بیان کرتا پھرتا ہے۔

[7] اس طرح اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں مال خرچ کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کوئی اسے دیکھنے والا نہیں ہے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ جس پر وہ اسے جزا دے گا۔ آگے اللہ تعالیٰ اپنے بعض انعامات کا تذکرہ فرما رہا ہے تاکہ ایسے لوگ عبرت پکڑیں۔

[8] جن سے یہ دیکھتا ہے۔

[9] زبان سے وہ بولتا اور اپنے ما فی الضمیر (دل کی بات) کا اظہار کرتا ہے۔ ہونٹوں سے وہ بولنے اور کھانے کے لیے مدد حاصل کرتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ اس کے چہرے اور منہ کے لیے خوب صورتی کا بھی باعث ہیں۔

[10] خیر کا بھی اور شر کا بھی۔ ایمان کا بھی اور کفر کا بھی۔ سعادت کا بھی اور شقاوت کا بھی، جیسے فرمایا: ﴿ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ○ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا﴾ ''بے شک ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے پیدا کیا، ہم اسے آزمانا چاہتے ہیں، چنانچہ ہم نے اس کو سننے، دیکھنے والا بنا دیا۔ ہم نے اس کو راستہ بتلا دیا ہے، اب وہ شکر گزار بن جائے یا ناشکرا۔''[1] نَجد کے معنی ہیں ''اونچی جگہ''۔ اس لیے بعض نے یہ ترجمہ کیا ہے ''ہم نے انسان کی (ماں کے) دو پستانوں کی طرف رہنمائی کر دی'' یعنی وہ عالمِ شیر خوارگی میں ان سے اپنی خوراک حاصل کرے۔ لیکن پہلا مفہوم زیادہ صحیح ہے۔

① الدهر 76:2-3

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ⑪ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ⑫ فَكُّ رَقَبَةٍ ⑬

پھر وہ گھاٹی پر سے ہو کر نہیں گزرا⑪ اور آپکو کیا معلوم کہ وہ دشوار گھاٹی کیا ہے؟⑫ وہ ہے کسی انسان کو غلامی سے چھڑانا⑬

[11] عَقَبَةٌ گھاٹی کو کہتے ہیں، یعنی وہ راستہ جو پہاڑ میں ہو۔ یہ عام طور پر نہایت دشوار گزار ہوتا ہے۔ یہ جملہ یہاں استفہام بمعنی انکار (نفی) کے مفہوم میں ہے، یعنی «أَفَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ؟» ''کیا وہ گھاٹی میں داخل نہیں ہوا؟'' مطلب ہے نہیں ہوا۔ اور بعض کے نزدیک یہ هَلَّا (برائے تحضیض، رغبت دلانے) کے معنی میں ہے۔ پس کیوں نہیں داخل ہوا وہ گھاٹی میں، یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کر کے گھاٹی کو عبور کیوں نہیں کیا؟ اور بعض کے نزدیک یہ ﴿ فَلَا ﴾ ہی ہے۔ اور لَمْ کے معنی میں ہے، وہ گھاٹی میں داخل نہیں ہوا۔ لَا ماضی پر داخل ہو کر وہی عمل کرتا ہے جو لَمْ مستقبل (مضارع) پر کرتا ہے۔ جیسے ﴿ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴾[1] ہے، یعنی «لَمْ يُصَدِّقْ وَلَمْ يُصَلِّ» ''نہ تو اس نے تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی۔''[2] بہر حال اس صرفی ونحوی بحث سے قطع نظر یہ ایک مثال ہے اس محنت ومشقت کی وضاحت کے لیے جو نیکی کے کاموں کے لیے ایک انسان کو شیطان کے وسوسوں اور نفس کے شہوانی تقاضوں کے خلاف کرنی پڑتی ہے، جیسے گھاٹی پر چڑھنے اور اسے عبور کرنے کے لیے سخت جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے۔[3] اس کو استفہام یا تحضیض کے مفہوم میں لینے کا مطلب بھی یہی ہے کہ اس میں انسان کو اس بات کی ترغیب ہو کہ وہ نفس کے تقاضوں اور شیطان کے وسوسوں کو نظر انداز کر کے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے اور اللہ کے دیے ہوئے مال کو ان امور خیر پر خرچ کرے جن کا تذکرہ آگے آ رہا ہے۔

[13] مقروض کو قرض سے نجات دلا دینا بھی ایک گونہ ﴿ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴾ ہے:

غلام آزاد کرنے کی بھی بڑی فضیلت احادیث میں آئی ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

---

① القیامۃ 31:75

② فتح القدیر، البلد 11:90 و التفسیر المنیر، البلد 11:90

③ فتح القدیر، البلد 11:90

«أَيُّمَا رَجُلٍ أَعْتَقَ امْرَأً مُّسْلِمًا ، اِسْتَنْقَذَ اللهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِّنْهُ عُضْوًا مِّنَ النَّارِ»

''جو شخص کسی مسلمان غلام کو آزاد کرے، اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کو غلام کے ہر عضو کے عوض دوزخ، کی آگ سے آزاد کردے گا۔''[1]

آج کل اس کی ایک صورت کسی مقروض کو قرض کے بوجھ سے نجات دلا دینا ہو سکتی ہے، یہ بھی ایک گونہ ﴿ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴾ (کسی انسان کو غلامی سے چھڑانا) ہے۔ آج کل کسی مقروض شخص کی مدد کر کے اس کو قرض سے نجات دلا دینا جس طرح متروک ہو گیا ہے، اسی طرح قرضِ حسن دینے کا سلسلہ بھی تقریباً (اِلا ما شاء اللہ) موقوف ہو گیا ہے جس کی وجہ سے سُودی سلسلے عام ہو گئے ہیں۔ حالانکہ قرضِ حسن کی بڑی فضیلت ہے۔ ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ السَّلَفَ يَجْرِي مَجْرٰى شَطْرِ الصَّدَقَةِ» ''قرض دینا نصف صدقے کے قائم مقام ہے۔''[2] یعنی اگر کسی نے کسی کو (مثال کے طور پر) ایک لاکھ روپے قرض دیے، تو یہ ایسے ہے جیسے اس نے پچاس ہزار روپے اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیے۔ اسی طرح تنگ دست مقروض کو مدت معینہ کے بعد مزید مہلت دینا اور دیے جانا بھی نہایت فضیلت والا عمل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا فَلَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ صَدَقَةٌ قَبْلَ أَنْ يَّحِلَّ الدَّيْنُ ، فَإِذَا حَلَّ الدَّيْنُ فَأَنْظَرَهُ فَلَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ مِّثْلَيْهِ صَدَقَةٌ»

''جس نے کسی تنگ دست کو مہلت دی، تو ادائیگی کی مدت آنے تک اسے روزانہ (اتنی رقم جو اس نے قرض دی) صدقہ کرنے کا اجر ملے گا اور مدتِ ادائیگی آنے کے بعد مزید مہلت دے گا، تو اسے روزانہ اس سے دُگنا اجر ملتا رہے گا۔''[3]

---

[1] صحيح البخاري، العتق، باب في العتق و فضله، حديث : 2517

[2] سلسلة الأحاديث الصحيحة، للألباني، رقم:1553

[3] سلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني، حديث:86، ج:1، ص:126

أَوْ إِطْعٰمٌ فِىْ يَوْمٍ ذِىْ مَسْغَبَةٍ ⑭ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ⑮ أَوْ مِسْكِيْنًا
یا بھوک والے دن کھانا کھلانا ⑭ کسی رشتے دار یتیم کو ⑮ یا کسی خاک نشین
ذَا مَتْرَبَةٍ ⑯ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ
مسکین کو ⑯ پھر وہ ان لوگوں میں شامل ہو جو ایمان لائے اور انھوں نے باہم صبر کی وصیت کی
وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ⑰
اور باہم رحم کرنے کی وصیت کی ⑰

ایک اور حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا، أَوْ وَضَعَ عَنْهُ، أَظَلَّهُ اللهُ فِي ظِلِّهِ»

''جس نے کسی تنگ دست کو مہلت دی یا اس سے اس کا قرض ہی معاف کر دیا، تو اللہ تعالیٰ اس کو (قیامت کے دن) اپنے سائے میں جگہ دے گا۔''[1]

ان احادیث سے قرض دینے کی، مقروض (تنگ دست) کو مہلت دینے کی یا قرض معاف ہی کر دینے کی فضیلت واضح ہے۔ ایک اسلامی معاشرے اور سودی معاشرے کے درمیان یہی ایک واضح امتیاز ہے۔

[14] ﴿مَسْغَبَةٍ﴾ مَجَاعَةٍ (بھوک)، ﴿يَوْمٍ ذِىْ مَسْغَبَةٍ﴾ ''بھوک والے دن۔''

[15] ﴿يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ﴾ ''یتیم رشتے دار۔'' یتیم کی کفالت ویسے ہی بڑے اجر کا کام ہے، لیکن اگر وہ رشتے دار بھی ہو تو اس کی کفالت کا اجر بھی دگنا ہے۔ ایک صدقے کا، دوسرا صلہ رحمی کا۔

[16] ﴿ذَا مَتْرَبَةٍ﴾ ''مٹی والا'' یعنی جو فقر و غربت کی وجہ سے مٹی (زمین) پر پڑا ہو، اس کا گھر بار بھی نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ کسی گردن کو آزاد کر دینا، کسی بھوکے کو، رشتے دار یتیم کو یا مسکین کو کھانا کھلا دینا، یہ دشوار گزار گھاٹی میں داخل ہونا ہے جس کے ذریعے سے انسان جہنم سے بچ کر جنت میں جا پہنچے گا۔

[17] اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ اعمالِ خیر اسی وقت نافع اور اخروی سعادت کا باعث ہوں

[1] صحیح مسلم، الزھد، حدیث:3006

أُولَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ ٱلْمَيْمَنَةِ ﴿18﴾ وَٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ بِـَٔايَٰتِنَا هُمْ

وہی لوگ دائیں ہاتھ والے ہیں ﴿18﴾ اور جو لوگ ہماری آیتوں کے منکر ہوئے وہی

أَصْحَٰبُ ٱلْمَشْـَٔمَةِ ﴿19﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌۢ ﴿20﴾

بائیں ہاتھ والے ہیں ﴿19﴾ ان پر (ہر طرف سے) بند کی ہوئی آگ ہوگی ﴿20﴾

گے جب ان کا کرنے والا صاحبِ ایمان ہوگا۔ ﴿ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴾ ''وصیت کی انھوں نے ایک دوسرے کو صبر کرنے کی۔'' ﴿ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴾ ''وصیت کی انھوں نے ایک دوسرے کو رحم کرنے کی۔'' اہل ایمان کی صفت ہے کہ وہ ایک دوسرے کو صبر کرنے کی اور رحم کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

[20] ﴿ مُّؤْصَدَةٌ ﴾ کے معنی ہیں، مُغْلَقَةٌ (بند کی ہوئی)، یعنی ان کو آگ میں ڈال کر چاروں طرف سے بند کر دیا جائے گا تاکہ ایک تو آگ کی پوری شدت وحرارت ان کو پہنچے۔ دوسرے وہ بھاگ کر کہیں نہ جاسکیں۔

سُوْرَةُ الشَّمْسِ

سُوْرَةُ الشَّمْسِ (91) مَكِّيَّةٌ (26) — رکوعها 1 — آیاتها 15

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ① وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ② وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ③

سورج اور اسکی دھوپ چڑھنے کی قسم ① اور چاند کی جب وہ اسکے پیچھے آتا ہے ② اور دن کی جب وہ سورج کا جلوہ

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ④ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ⑤ وَالْاَرْضِ

دکھاتا ہے ③ اور رات کی جب وہ اسے ڈھانپ لیتی ہے ④ اور آسمان کی اور جس نے اسے بنایا ⑤ اور زمین کی

وَمَا طَحٰهَا ⑥ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ⑦ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ⑧

اور جس نے اسے بچھایا ⑥ اور (انسانی) نفس کی اور جس نے اُسے ٹھیک بنایا ⑦ پھر اسکی بدی اور اسکا تقویٰ اس پر الہام کیا ⑧

[1] ﴿وَضُحٰهَا﴾ ''اور اس کی روشنی کی'' یا اس کی دھوپ کی یا مطلب ضحیٰ سے دن ہے، یعنی سورج کی اور دن کی قسم۔

[2] جب سورج غروب ہونے کے بعد وہ طلوع ہو جیسا کہ پہلے نصف مہینے میں ایسا ہوتا ہے۔

[3] یا تاریکی کو دور کرتا ہے۔ ظلمت کا پہلے ذکر تو نہیں ہے لیکن سیاق اس پر دلالت کرتا ہے۔ [1]

[4] سورج کو ڈھانپ لے اور ہر سمت اندھیرا چھا جائے۔

[5] اس معنی کی رو سے ﴿مَا﴾ بمعنی مَنْ (الَّذِي جس نے) ہوگا۔ اور بعض کے نزدیک ﴿مَا﴾ مصدریہ ہے، اس اعتبار سے معنی ہوں گے ''قسم ہے آسمان کی اور اس کے بنانے کی۔''

[6] اس میں بھی ﴿مَا﴾ کے وہی دونوں معنی کیے گئے ہیں جو پہلے ذکر ہوئے، یعنی ''قسم ہے زمین کی اور اس ذات کی جس نے اسے بچھایا'' یا ''قسم ہے زمین کی اور اس کے بچھانے کی۔''

[7] یہاں بھی ﴿مَا﴾ بمعنی (الَّذِي ''جس نے'') ہے یا ﴿مَا﴾ مصدریہ ہے۔ اور درست کرنے کا مطلب ہے، اسے متناسب الاعضا بنایا، بے ڈھبا اور بے ڈھنگا نہیں بنایا۔

[8] الہام یا القا کرنے کا مطلب یا تو یہ ہے کہ انھیں اچھی طرح سمجھا دیا اور انھیں انبیاء علیہم السلام اور

---

① فتح القدیر، الشمس 3:91

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ⑨ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ⑩ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ

یقیناً فلاح پا گیا جس نے نفس کا تزکیہ کیا⑨ اور یقیناً نامراد ہوا جس نے اسے آلودہ کیا⑩ قوم ثمود نے اپنی سرکشی

بِطَغْوٰىهَآ ⑪ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ⑫ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ

کی وجہ سے (نبی کو) جھٹلایا⑪ جب اٹھ کھڑا ہوا اس قوم کا بڑا بدبخت⑫ تو انھیں رسول اللہ نے کہا: اللہ کی اونٹنی

اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ⑬

(کی حفاظت کرو) اور اس کو پانی پلانے کی⑬

آسمانی کتابوں کے ذریعے سے خیر و شر کی پہچان کروا دی یا مطلب ہے کہ ان کی عقل اور فطرت میں خیر اور شر، نیکی اور بدی کا شعور ودیعت کر دیا، تاکہ وہ نیکی کو اپنائیں اور بدی سے اجتناب کریں۔

[9] ﴿مَنْ زَكّٰىهَا﴾ ''جس نے اس (نفس) کا تزکیہ کیا'' یعنی اسے شرک سے، معصیت سے اور اخلاقی آلائشوں سے پاک کیا، وہ اخروی فوز و فلاح سے ہمکنار ہوگا۔

[10] ﴿مَنْ دَسّٰىهَا﴾ ''جس نے نفس کو دبا دیا'' یعنی گمراہ کر لیا، وہ خسارے میں رہا۔ دَسَّ، تدسیس سے ہے جس کے معنی ہیں، ایک چیز کو دوسری چیز میں چھپا دینا۔ ﴿دَسّٰىهَا﴾ کے معنی ہوں گے جس نے اپنے نفس کو چھپا دیا اور اسے بے کار چھوڑ دیا اور اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عمل صالح کے ساتھ مشہور نہیں کیا۔ یا اس کو دبا دیا، یعنی نیکی کی فطری صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کی بجائے ان کو دبا دیا۔ یوں یہ لفظ یہاں تزکیے کے بالمقابل اس کے مخالف مفہوم میں استعمال ہوا ہے، اس لیے اس مفہوم کو ادا کرنے کے لیے بعض نے ترجمہ کیا: ''جس نے اسے ناپاک رکھا'' یا ''اسے خاک میں ملا دیا'' یا ''اسے آلودہ کیا'' وغیرہ۔

[11] ﴿بِطَغْوٰىهَآ﴾ ''اپنی سرکشی کی وجہ سے۔'' طُغیان، وہ سرکشی جو حد سے تجاوز کر جائے۔ اسی طغیان نے انھیں تکذیب پر آمادہ کیا۔

[12] جس کا نام مفسرین قدار بن سالف بتلاتے ہیں۔ اس نے ایسا کام کیا کہ یہ رئیس الاشقیاء بن گیا، سب سے بڑا اشقی (بدبخت)۔

[13] اس اونٹنی کو کوئی نقصان نہ پہنچائے، اسی طرح اس کے لیے پانی پینے کا جو دن ہو، اس میں

فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۙ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ

پھر انھوں نے اس کو جھٹلایا اور اونٹنی کو مار ڈالا تو ان کے رب نے ان کے گناہ کی وجہ سے ان پر تباہی ڈال کر سب کا

فَسَوّٰىهَا ⑭ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ⑮

صفایا کر دیا⑭ اور وہ اس (تباہی) کے انجام سے نہیں ڈرتا⑮

بھی گڑ بڑ نہ کی جائے۔ اونٹنی اور قوم ثمود دونوں کے لیے پانی کا ایک ایک دن مقرر کر دیا گیا تھا۔ اونٹنی کی حفاظت کی تاکید کی گئی لیکن ان ظالموں نے پروا نہیں کی۔

برائی پر نکیر نہ کرنے والی قوم برائی میں شریک سمجھی جائے گی:

[14] یہ کام ایک ہی شخص قدار نے کیا تھا لیکن چونکہ اس شرارت میں قوم بھی اس کے ساتھ شریک تھی، اس لیے اس میں سب کو برابر کا مجرم قرار دیا گیا اور تکذیب اور اونٹنی کی کوچیں کاٹنے کی نسبت پوری قوم کی طرف کی گئی جس سے یہ اصول معلوم ہوا کہ ایک برائی کا ارتکاب کرنے والے اگر چند ایک افراد ہوں لیکن پوری قوم اس برائی پر نکیر کرنے کی بجائے اسے پسند کرتی ہو تو اللہ تعالیٰ کے ہاں پوری قوم اس برائی کی مرتکب قرار پائے گی اور اس جرم یا برائی میں برابر کی شریک سمجھی جائے گی۔ ﴿فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ﴾ ''پس تباہی ڈال دی ان پر'' یعنی ان کو ہلاک کر دیا اور ان پر سخت عذاب نازل کیا۔ ﴿فَسَوّٰىهَا﴾ ''پس برابر کر دیا ان کو'' یعنی اس عذاب میں سب کو برابر کر دیا، کسی کو نہیں چھوڑا، چھوٹے بڑے، سب کو نیست و نابود کر دیا گیا۔ یا زمین کو ان پر برابر کر دیا، یعنی سب کو تہ خاک کر دیا۔

[15] اللہ تعالیٰ کو یہ ڈر نہیں ہے کہ اس نے انھیں سزا دی ہے تو کوئی بڑی طاقت اس کا اس سے بدلہ لے گی۔ وہ انجام سے بے خوف ہے کیونکہ کوئی ایسی طاقت نہیں ہے، جو اس سے بڑھ کر یا اس کے برابر ہی ہو، جو اس سے انتقام لینے کی قدرت رکھتی ہو۔

سُوْرَةُ الَّيْلِ

سُوْرَةُ الَّيْلِ (92) مَكِّيَّةٌ (9) | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُكُوْعُهَا 1 اٰيَاتُهَا 21

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ① وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ② وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ

رات کی قسم جب وہ چھا جائے① اور دن کی جب وہ روشن ہو② اور اس ذات کی جس نے نر اور مادہ

وَالْاُنْثٰٓى ③ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ④ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ⑤

پیدا کیے③ بیشک تمھاری کوشش (باہم) مختلف ہے④ پھر جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور ڈرتا رہا⑤

وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ⑥ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ⑦

اور اس نے نیک بات کی تصدیق کی⑥ تو یقیناً اسے ہم آسان (راہ) کی توفیق دیں گے⑦

[1] افق پر چھا جائے جس سے دن کی روشنی ختم اور اندھیرا ہو جائے۔

[2] رات کا اندھیرا ختم اور دن کا اجالا پھیل جائے۔

[3] یہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قسم کھائی کیونکہ مرد و عورت دونوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ﴿مَا﴾ موصولہ ہے، بمعنی اَلَّذِي ”جس نے۔“

[4] کوئی اچھے عمل کرتا ہے جس کا صلہ جنت ہے اور کوئی برے عمل کرتا ہے جس کا بدلہ جہنم ہے۔ یہ جواب قسم ہے۔ شَتّٰى شَتِيْت (مختلف) کی جمع ہے، جیسے مَرِيْض کی جمع مَرْضٰى ہے۔

[5] خیر کے کاموں میں خرچ کرے گا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے محارم سے بچے گا۔

[6] یا اچھے صلے کی تصدیق کرے گا، یعنی اس بات پر یقین رکھے گا کہ انفاق اور تقویٰ کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے عمدہ صلہ ملے گا۔

[7] یُسْرٰی (آسان) کا مطلب نیکی اور اَلْخَصْلَةُ الْحُسْنٰى (اچھی خصلت) ہے، یعنی ہم اس کو نیکی و اطاعت کی توفیق دیتے اور ان کو اس کے لیے آسان کر دیتے ہیں۔ مفسرین کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنھوں نے چھ غلام آزاد کیے

وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۙ⑧ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۙ⑨

لیکن جس نے کنجوسی کی اور پروا نہ کی⑧اور اس نے نیک بات کو جھٹلایا⑨

فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ؕ⑩

تو اسے ہم تنگی کی (راہ کی) سہولت دیں گے⑩

جنھیں اہل مکہ مسلمان ہونے کی وجہ سے سخت اذیت دیتے تھے۔[1]

[8] اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرے گا اور اللہ کے حکم سے بے پروائی کرے گا۔

[9] یا آخرت کی جزا اور حساب کتاب کا انکار کرے گا۔

[10] عُسرٰی ''تنگی (کا راستہ)'' سے مراد کفر و معصیت اور شر کا راستہ ہے، یعنی ہم اس کے لیے نافرمانی کا راستہ آسان کر دیں گے جس سے اس کے لیے خیر و سعادت کے راستے مشکل ہو جائیں گے۔ قرآن مجید میں یہ مضمون کئی جگہ بیان کیا گیا ہے کہ جو خیر و رشد کا راستہ اپناتا ہے اس کے صلے میں اللہ تعالیٰ اسے خیر کی توفیق سے نوازتا ہے اور جو شر و معصیت کو اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے اور یہ اس تقدیر کے مطابق ہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے لکھ رکھی ہے۔[2] یہ مضمون حدیث میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«اِعْمَلُوا فَكُلٌّ مُّيَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ لَهُ، أَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ فَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ أَهْلِ السَّعَادَةِ، وَأَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الشَّقَاءِ فَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ»

''تم عمل کرو، ہر شخص جس کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے وہ اس کے لیے آسان کر دیا جاتا ہے۔ جو اہل سعادت سے ہوتا ہے، اسے اہل سعادت والے عمل کی توفیق دے دی جاتی ہے اور جو اہل شقاوت سے ہوتا ہے، اس کے لیے اہل شقاوت والے عمل آسان کر دیے جاتے ہیں۔''[3]

① فتح القدير، الليل 7:92 ② تفسير ابن كثير، الليل 10:92
③ صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ⑩﴾، حديث: 4949

وَمَا يُغْنِىْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى ⑪ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ⑫

اور جب وہ (دوزخ میں) گرے گا تو اسے اس کا مال کوئی فائدہ نہ دے گا⑪ بے شک ہدایت دینا ہمارے ہی ذمے ہے⑫

وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ⑬ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ⑭

اور بے شک آخرت اور دنیا ہمارے ہی اختیار میں ہے⑬ بالآخر میں نے تمھیں بھڑکتی آگ سے ڈرا دیا ہے⑭

لَا يَصْلٰىهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَى ⑮ الَّذِىْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ⑯

اس میں بڑا بد بخت ہی داخل ہوگا⑮ جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا⑯

[11] جب جہنم میں گرے گا تو یہ مال، جسے وہ خرچ نہیں کرتا تھا، کچھ کام نہ آئے گا۔

[12] حلال اور حرام، خیر اور شر، ہدایت اور ضلالت کو واضح اور بیان کرنا ہمارے ذمے ہے (جو کہ ہم نے کر دیا ہے)۔

[13] دونوں کے مالک ہم ہی ہیں، ان میں جس طرح چاہیں تصرف کریں، اس لیے ان دونوں کے یا ان میں سے کسی ایک کے طالب ہم ہی سے مانگیں کیونکہ ہر طالب کو ہم ہی اپنی مشیت کے مطابق دیتے ہیں۔

مُرجِئہ کے استدلال کی تردید:

[16] اس آیت سے مُرجئہ فرقے نے، جو ایک باطل فرقہ گزرا ہے، استدلال کیا ہے کہ جہنم میں صرف کافر ہی جائیں گے۔ کوئی مسلمان چاہے کتنا ہی گناہ گار ہو، وہ جہنم میں نہیں جائے گا۔ لیکن یہ عقیدہ ان نصوص صریحہ کے خلاف ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے مسلمان بھی، جن کو اللہ تعالیٰ کچھ سزا دینا چاہے گا، کچھ عرصے کے لیے جہنم میں جائیں گے، پھر وہ نبیٔ اکرم ﷺ، ملائکہ اور دیگر صالحین کی شفاعت سے نکال لیے جائیں گے۔ یہاں حصر کے انداز میں جو کہا گیا ہے اس کا مطلب ہے کہ جو لوگ پکے کافر اور نہایت بد بخت ہیں، جہنم دراصل ان ہی کے لیے بنائی گئی ہے جس میں وہ لازماً، حتمی طور پر اور ہمیشہ کے لیے داخل ہوں گے۔ اگر کچھ نافرمان قسم کے مسلمان جہنم میں جائیں گے تو وہ لازماً، حتمی طور پر اور ہمیشہ کے لیے نہیں جائیں گے بلکہ بطور سزا ان کا یہ

سُوْرَةُ الَّيْلِ

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿17﴾ الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴿18﴾ وَمَا لِاَحَدٍ

اور بڑا متقی اس سے ضرور دور رکھا جائے گا﴿17﴾ جو پاک ہونے کے لیے اپنا مال دیتا ہے﴿18﴾ اور اس پر کسی کا کوئی

عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ﴿19﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿20﴾

احسان نہیں جس کا بدلہ اسے دینا ہو﴿19﴾ مگر صرف اپنے رب برتر کا چہرہ چاہتے ہوئے (مال خرچ کرتا ہے)﴿20﴾

وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿21﴾

اور یقیناً وہ (اللہ) جلد اس سے راضی ہوگا﴿21﴾

دخول عارضی ہوگا۔''[1]

[17] جہنم سے دور رہے گا اور جنت میں داخل ہوگا۔

[18] جو اپنا مال اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق خرچ کرتا ہے تاکہ اس کا نفس بھی اور اس کا مال بھی پاک ہو جائے۔

[19] یہ سابقہ جملے ہی کی وضاحت ہے، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو خرچ کرتا ہے تو وہ احسان کا بدلہ اتارنے کے لیے نہیں خرچ کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر خرچ کرتا ہے تاکہ اس کا تزکیہ ہو جائے۔ اگلے جملے میں بھی اسی بات کی مزید وضاحت ہے۔

[20] اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت میں اس کے دیدار کے لیے خرچ کرتا ہے۔

[21] یا وہ (بندہ) راضی ہو جائے گا، یعنی جو شخص ان صفات کا حامل ہوگا، اللہ تعالیٰ اسے جنت کی نعمتیں اور عزت و شرف عطا فرمائے گا جس سے وہ راضی ہو جائے گا۔ اکثر مفسرین نے کہا ہے بلکہ بعض نے اجماع تک نقل کیا ہے کہ یہ آیات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہیں، تاہم معنی و مفہوم کے اعتبار سے یہ عام ہیں۔ جو بھی ان صفاتِ عالیہ سے متصف ہوگا، وہ بارگاہ الٰہی میں ان کا مصداق قرار پائے گا۔

[1] فتح القدیر، اللیل 92:15-16

سُوْرَةُ الضُّحٰی
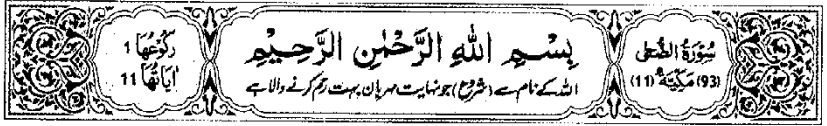
وَالضُّحٰى ①

دن چڑھے کی قسم!①

ایک مرتبہ نبی ﷺ بیمار ہو گئے دو تین راتیں آپ نے قیام نہیں فرمایا، ایک عورت آپ کے پاس آئی اور کہنے لگی: «یَا مُحَمَّدُ! إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ یَّکُونَ شَیْطَانُكَ قَدْ تَرَکَكَ، لَمْ أَرَهُ قَرِبَكَ مُنْذُ لَيْلَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا» ''اے محمد (ﷺ)! معلوم ہوتا ہے کہ تیرے شیطان نے تجھے چھوڑ دیا ہے، دو یا تین راتوں سے میں دیکھ رہی ہوں کہ وہ تیرے قریب نہیں آیا۔'' جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔① یہ عورت ابولہب کی بیوی ام جمیل تھی۔②

[1] ضُحٰی (چاشت) اس وقت کو کہتے ہیں جب سورج بلند ہوتا ہے۔ یہاں مراد پورا دن ہے۔

چاشت کی نماز، اہمیت، تعدادِ رکعات اور فضیلت:

چاشت کے وقت بھی نبی ﷺ سے نفل نماز پڑھنے کا ثبوت ہے، چنانچہ ابن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ہمیں ام ہانی رضی اللہ عنہا کے سوا کسی نے یہ خبر نہیں دی کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو ضحیٰ (چاشت) کی نماز پڑھتے دیکھا، ام ہانی رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے میرے گھر میں غسل فرمایا اور آٹھ رکعتیں پڑھیں، میں نے ایسی ہلکی پھلکی نماز پڑھتے آپ کو (پہلے) کبھی نہیں دیکھا، تاہم آپ نے رکوع و سجود پورے کیے۔③

اسی طرح نبی ﷺ نے اپنی اُمت کو بھی چاشت کے نفل پڑھنے کی تاکید فرمائی، جیسے حضرت

① صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى﴾، حدیث: 4950

② فتح الباری: 710/8

③ صحیح البخاری، التقصیر، باب من تطوع فی السفرفی غیر......، حدیث: 1103

سُوْرَۃُ الضُّحٰی

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

«أَوْصَانِي خَلِيلِي ﷺ بِثَلَاثٍ: صِيَامِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مِّنْ كُلِّ شَهْرٍ، وَّرَكْعَتَيِ الضُّحٰى، وَأَنْ أُوتِرَ قَبْلَ أَنْ أَنَامَ»

''میرے خلیل رسول اللہ ﷺ نے مجھے تین چیزوں کی نصیحت کی: ہر مہینے تین روزے رکھنے، دو رکعت چاشت کی نماز اور سونے سے پہلے وتر ادا کر لینے کی۔''[1]

اس سے معلوم ہوا کہ چاشت کی نماز دو رکعتوں سے لے کر آٹھ رکعات تک ہے۔ دو دو کر کے جتنی رکعات پڑھ سکتا ہو پڑھ لے۔ چاشت کی نماز کی فضیلت میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يُصْبِحُ عَلٰى كُلِّ سُلَامٰى مِنْ أَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ، فَكُلُّ تَسْبِيحَةٍ صَدَقَةٌ، وَكُلُّ تَحْمِيدَةٍ صَدَقَةٌ، وَكُلُّ تَهْلِيلَةٍ صَدَقَةٌ، وَكُلُّ تَكْبِيرَةٍ صَدَقَةٌ، وَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ صَدَقَةٌ، وَنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ، وَيُجْزِئُ مِنْ ذٰلِكَ، رَكْعَتَانِ يَرْكَعُهُمَا مِنَ الضُّحٰى»

''تم میں سے ہر آدمی اس حال میں صبح کرتا ہے کہ اس کے ذمے اس کے ہر جوڑ پر صدقہ ہوتا ہے۔ پس ہر ایک بار سُبْحَانَ اللّٰهِ (اللہ پاک ہے) کہنا صدقہ ہے، ہر بار اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ (سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں) کہنا صدقہ ہے، ہر مرتبہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ (اللہ کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں) کہنا صدقہ ہے، ہر مرتبہ اَللّٰهُ أَكْبَرُ (اللہ سب سے بڑا ہے) کہنا صدقہ ہے، نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے اور برائی سے روکنا صدقہ ہے اور ان کے مقابلے میں چاشت کی وہ دو رکعتیں کفایت کر جاتی ہیں جو کوئی انھیں ادا کرتا ہے۔''[2]

---

[1] صحیح البخاری، الصوم، باب صیام البیض ثلاث عشرۃ......، حدیث: 1981

[2] صحیح مسلم، صلاۃ المسافرین، باب استحباب صلاۃ الضحی......، حدیث: 720

سُوْرَةُ الضُّحٰی

وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ② مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ③

اور رات کی جب وہ چھا جائے②(اے نبی!) آپ کے رب نے آپ کو نہ چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا③

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ④ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ

اور یقیناً آپ کے لیے آخرت، دنیا سے بہت بہتر ہے ④اور جلد آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا

فَتَرْضٰى ⑤ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ⑥

کہ آپ راضی ہو جائیں گے⑤ کیا اس نے آپ کو یتیم نہ پایا، پھر ٹھکانا دیا⑥

[2] ﴿سَجٰى﴾ کے معنی ہیں سَکَنَ، جب ساکن ہو جائے، یعنی جب اندھیرا مکمل چھا جائے کیونکہ اس وقت ہر چیز ساکن ہو جاتی ہے۔

[3] جیسا کہ کافر سمجھ رہے ہیں۔

[4] اس لیے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو عزت و رفعت عطا فرمانی ہے اور جن نعمتوں اور کرامتوں سے نوازنا ہے، دنیا میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے دوسرے معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ دنیا میں آئندہ احوال آپ کے پہلے احوال سے بہتر ہوں گے اور آپ کے احترام و وقار میں روز بروز اضافہ ہوگا، اس لیے آپ یہ گمان نہ کریں کہ میں آپ سے ناراض ہوں بلکہ ہر نیا سورج آپ کی عظمت و بلندی کی نوید لے کر ہی طلوع ہوگا۔ دونوں مفہوم، معانی کے اعتبار سے صحیح ہیں۔

[5] اس سے دنیا کی فتوحات اور آخرت کا اجر و ثواب مراد ہے۔ اس میں وہ حق شفاعت بھی داخل ہے جو آپ کو اپنی امت کے گناہ گاروں کے لیے ملے گا۔

[6] باپ کے سہارے سے بھی آپ محروم تھے، ہم نے آپ کی دست گیری اور چارہ سازی کی۔ اور آپ پہلے اپنے دادا عبدالمطلب کی کفالت میں رہے۔ دادا کی وفات کے بعد، جبکہ آپ کی عمر 8 سال تھی، اپنے چچا ابوطالب کی کفالت میں آ گئے اور انھوں نے کفالت کا حق اس طرح ادا کیا کہ نبوت کے بعد آپ کے حمایتی اور مددگار بھی بنے رہے۔

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ⑦ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ⑧

اور آپ کو ناواقفِ راہ پایا، پھر ہدایت بخشی ⑦ اور آپ کو تنگ دست پایا، پھر مال دار کر دیا ⑧

[7] آپ کو دین، شریعت اور ایمان کا پتہ نہیں تھا، ہم نے آپ کو راہ یاب کیا، نبوت سے نوازا اور کتاب نازل کی ورنہ اس سے قبل آپ ہدایت کے لیے سرگرداں تھے، جیسے دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ﴾ ''پہلے آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا اور ایمان کیا ہے؟ لیکن ہم نے اسے نور بنایا، ہم اس کے ذریعے سے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں۔''[1]

﴿ضَآلًّا﴾ کے مفسرین اور مترجمین نے مختلف معنی کیے ہیں لیکن مآل سب کا ایک ہی ہے۔ مثلاً: جویائے راہ، راہ حق سے ہٹا ہوا، راہ ہدایت سے بے خبر یا غافل، گم کردہ راہ وغیرہ۔ ان سب کا مفہوم وہی ہے جو ''ناواقف راہ'' کا ہے، یعنی جس کے اندر حق کی جستجو اور طلب تو ہو لیکن وہ ایسے دوراہے یا چوراہے پر کھڑا ہو جہاں اسے معلوم نہ ہو کہ مجھے کس طرف جانا چاہیے تاکہ میں منزل مقصود پر پہنچ جاؤں۔ آپ کی یہ گم گشتگیٔ راہ اسی وقت ختم ہوئی جب وحی نے راستے کی وضاحت اور منزل کی نشاندہی کر دی، اس لیے مذکورہ تراجم میں سے کسی ترجمے سے بھی آپ کی تنقیص شان نہیں ہوتی جیسا کہ بعض لوگ باور کراتے ہیں کیونکہ نبوت سے قبل آپ کی زندگی کی بابت خود قرآن کہہ رہا ہے کہ آپ کو کتاب و ایمان کا علم نہیں تھا، اسی حقیقت کو قرآن نے یہاں ﴿ضَآلًّا﴾ سے اور مترجمین نے مذکورہ تراجم سے تعبیر کیا ہے۔

[8] ﴿فَاَغْنٰى﴾ ''پس اس نے غنی (تونگر) کر دیا۔'' تونگر کا مطلب ہے، اپنے سوا آپ کو ہر ایک سے بے نیاز کر دیا، پس آپ فقر میں صابر اور غِنٰی (تونگری) میں شاکر رہے۔

اصل تونگری دل کی تونگری ہے:

جیسے خود نبیٔ اکرم ﷺ کا بھی فرمان ہے:

---

[1] الشوریٰ 42:52

سُوْرَةُ الضُّحٰی

فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ؕ⑨ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ؕ⑩

لہٰذا آپ یتیم پر سختی نہ کریں ⑨اور سوالی کو نہ جھڑکیں ⑩

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۧ⑪

ع 1 11 18

اور اپنے رب کی نعمت کا ذکر کرتے رہیں ⑪

«لَيْسَ الْغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلٰكِنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ»

’’تونگری ساز وسامان کی کثرت کا نام نہیں ہے، اصل تونگری دل کی تونگری ہے۔‘‘[1]

آپ کی تونگری بھی اسی بے نیازی کی مظہر تھی ورنہ سب جانتے ہیں کہ آپ کی زندگی نہایت سادہ اور عسرت کی تھی، نہ کہ امیرانہ شان وشوکت اور شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ کی۔

[9] بلکہ اس کے ساتھ نرمی واحسان کا معاملہ کریں۔

[10] اس سے سختی اور تکبر نہ کریں، نہ درشت اور تلخ لہجہ اختیار کریں بلکہ جواب بھی دینا ہو تو پیار اور محبت سے دیں۔

[11] اللہ تعالیٰ نے آپ پر جو احسانات کیے ہیں، مثلاً: ہدایت اور رسالت ونبوت سے نوازا، یتیمی کے باوجود آپ کی کفالت وسرپرستی کا انتظام کیا، آپ کو قناعت وتونگری اور دیگر چیزیں عطا کیں۔ انھیں جذباتِ تشکر وممنونیت کے ساتھ بیان کرتے رہیں۔

احساناتِ الٰہی کا تذکرہ بطور تحدیثِ نعمت جائز اور رضائے الٰہی کا باعث ہے:

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کا تذکرہ اور ان کا اظہار اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، جیسے نبی ﷺ نے بھی فرمایا:

«إِنَّ اللهَ يُحِبُّ أَنْ يُرٰى أَثَرُ نِعْمَتِهِ عَلٰى عَبْدِهِ»

① صحيح البخاري، الرقاق، باب الغنى غنى النفس، حديث:6446 وصحيح مسلم، الزكاة، باب فضل القناعة والحث عليها، حديث :1051

سُوْرَةُ الضُّحٰی

”بے شک اللہ پسند کرتا ہے کہ اس کی نعمت کا اثر (نشان) اس کے بندے پر دیکھا جائے۔“[1]
لیکن تکبر اور فخر کے طور پر نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے احسان سے زیر بار ہوتے ہوئے اور اس کی قدرت و طاقت سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں وہ ہمیں ان نعمتوں سے محروم نہ کر دے۔

[1] جامع الترمذی، الأدب، باب ما جاء أن اللّٰہ تعالٰی یحب......، حدیث : 2819

سُوْرَةُ اَلَمْ نَشْرَحْ

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۙ﴿۱﴾
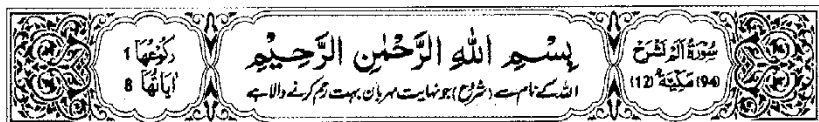
(اے نبی!) کیا ہم نے آپ کے لیے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا؟①

[1] گزشتہ سورت میں تین انعامات کا ذکر تھا، اس سورت میں مزید تین احسانات جتلائے جا رہے ہیں۔ سینہ کھول دینا ان میں پہلا ہے۔

شرح صدر کا مطلب:

اس کا مطلب ہے سینے کا منور اور فراخ ہو جانا تا کہ حق واضح بھی ہو جائے اور دل میں سما بھی جائے۔ اسی مفہوم میں قرآن کریم کی یہ آیت ہے: ﴿فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ﴾ ''جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت سے نوازنے کا ارادہ کرتا ہے، اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔''① یعنی وہ اسلام کو دین حق کے طور پر پہچان بھی لیتا ہے اور اسے قبول بھی کر لیتا ہے۔

نبی ﷺ کا سینہ مبارک کتنی مرتبہ چاک کیا گیا؟:

اس شرح صدر میں وہ شق صدر (سینے کا چاک ہونا) بھی آ جاتا ہے جو معتبر روایات کی رو سے دو مرتبہ نبی ﷺ کا کیا گیا۔ ایک مرتبہ بچپن میں جبکہ آپ عمر کے چوتھے سال میں تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور انھوں نے آپ کا دل چیرا اور اس سے وہ حصۂ شیطانی نکال دیا جو ہر انسان کے اندر ہے، پھر اسے دھو کر بند کر دیا۔②

دوسری مرتبہ معراج کے موقعے پر، اس موقعے پر آپ کا سینہ مبارک چاک کر کے دل نکالا گیا،

① الأنعام 125:6

② صحیح مسلم، الإیمان، باب الإسراء برسول اللّٰه ﷺ إلى السماوات......، حدیث : 162

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ② الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ③

اور ہم نے آپ سے آپ کا بوجھ اتار دیا② جس نے آپ کی کمر توڑ دی تھی③

اسے آب زمزم سے دھو کر اپنی جگہ رکھ دیا گیا اور اسے ایمان وحکمت سے بھر دیا گیا۔①

ان کے علاوہ بعض روایات میں دو مرتبہ اور شق صدر کا ذکر آیا ہے، ایک اس وقت جب نبی ﷺ دس سال کے تھے اور ایک غار حرا میں وحی کے آغاز پر۔②

لیکن بعض علماء ان آخری دو واقعوں کی اسنادی حیثیت پر مطمئن نہیں ہیں۔③ تاہم دو مرتبہ آپ کا شق صدر ہونے کو سب تسلیم کرتے ہیں، اس لیے کہ وہ بالکل صحیح روایات سے ثابت ہیں۔

[2] یہ بوجھ نبوت سے قبل چالیس سالہ دور زندگی سے متعلق ہے۔ اس دور میں اگرچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو گناہوں سے محفوظ رکھا، کسی بت کے سامنے آپ سجدہ ریز نہیں ہوئے، کبھی شراب نوشی نہیں کی اور بھی دیگر برائیوں سے دامن کش رہے، تاہم معروف معنوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت کا نہ آپ کو علم تھا اور نہ آپ نے کی، اس لیے آپ کے دل و دماغ پر اس چالیس سالہ عدم عبادت وعدم اطاعت کا بوجھ تھا جو حقیقت میں تو نہیں تھا لیکن آپ کے احساس وشعور نے اسے بوجھ بنا رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اتار دینے کا اعلان فرما کر آپ پر احسان فرمایا۔ یہ گویا وہی مفہوم ہے جو ﴿ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ ﴾ ''تاکہ جو کچھ آپ کے گناہ آگے ہوئے اور جو پیچھے سب کو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے''④ کا ہے۔ بعض کہتے ہیں، یہ نبوت کا بوجھ تھا جسے اللہ تعالیٰ نے ہلکا کر دیا، یعنی اس راہ کی مشکلات برداشت کرنے کا حوصلہ اور تبلیغ ودعوت میں آسانیاں پیدا فرما دیں۔

---

① صحیح البخاری، الصلاۃ، باب کیف فرضت الصلاۃ فی الإسراء، حدیث:349 والتوحید، باب ما جاء فی قولہ عزوجل : ﴿وکلم اللہ موسی......﴾، حدیث :7517 و صحیح مسلم، الإیمان، باب الإسراء برسول اللہ ﷺ إلی السماوات......، حدیث : 163-164

② فتح الباری :460/1

③ سیرۃ النبی ﷺ، جلد سوم، سید سلیمان ندوی

④ الفتح 48:2

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ④ فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ⑤ إِنَّ مَعَ

اور ہم نے آپ کے لیے آپ کا ذکر اونچا کر دیا④ پھر بے شک ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے⑤ بے شک ہر تنگی کے ساتھ

الْعُسْرِ يُسْرًا ⑥ فَإِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ⑦ وَإِلَىٰ رَبِّكَ فَارْغَبْ ⑧

آسانی ہے⑥ چنانچہ جب آپ فارغ ہو جائیں تو محنت کیجیے⑦ اور اپنے رب ہی کی طرف رغبت کیجیے⑧

[4] جہاں اللہ تعالیٰ کا نام آتا ہے وہیں آپ کا نام بھی آتا ہے۔ مثلاً: اذان، نماز اور دیگر بہت سے مقامات پر، گزشتہ کتابوں میں آپ کا تذکرہ اور صفات کی تفصیل ہے، فرشتوں میں آپ کا ذکر خیر ہے، آپ کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت قرار دیا اور اپنی اطاعت کے ساتھ ساتھ آپ کی اطاعت کا بھی حکم دیا۔

[6] یہ آپ کے لیے اور صحابہ کے لیے خوشخبری ہے کہ تم اسلام کی راہ میں جو تکلیفیں برداشت کر رہے ہو تو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بعد ہی اللہ تعالیٰ تمھیں فراغت و آسانی سے نوازے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا جسے ساری دنیا جانتی ہے۔

[7] ﴿ فَرَغْتَ ﴾ ''فارغ ہو جائیں آپ'' یعنی نماز سے یا تبلیغ سے یا جہاد سے ﴿ فَانْصَبْ ﴾ ''تو محنت کیجیے'' دعا میں محنت کریں یا اتنی عبادت کریں کہ آپ تھک جائیں۔

[8] اسی سے جنت کی امید رکھیں، اسی سے اپنی حاجتیں طلب کریں اور تمام معاملات میں اسی پر اعتماد اور بھروسا رکھیں۔

سُوْرَةُ التِّیْن
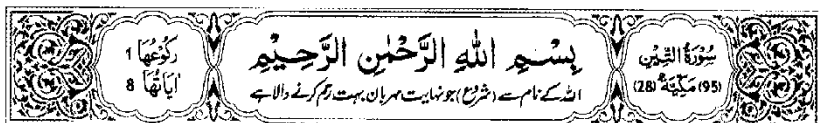
وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ① وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ② وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ③

قسم ہے انجیر اور زیتون کی ① اور طور سیناء کی ②اور اس پُر امن شہر (مکہ) کی ③

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ④

یقیناً ہم نے انسان کو بہترین شکل وصورت میں پیدا کیا ہے ④

[2] یہ وہی کوہ طور ہے جہاں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوا تھا۔طور سینا اور ﴿ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ﴾ اسی کو کہتے ہیں۔

[3] اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے جس میں قتال کی اجازت نہیں ہے۔علاوہ ازیں جو اس میں داخل ہو جائے اسے بھی امن حاصل ہو جاتا ہے۔بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ دراصل تین مقامات کی قسم ہے جن میں سے ہر ایک جگہ میں جلیل القدر، صاحبِ شریعت پیغمبر مبعوث ہوا۔انجیر اور زیتون سے مراد وہ علاقہ ہے جہاں اس کی پیداوار ہے اور وہ ہے بیت المقدس جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیغمبر بن کر آئے۔طورِ سینا یا ﴿ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ﴾ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا کی گئی اور شہر مکہ میں سید الرسل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔[1]

[4] یہ جوابِ قسم ہے۔

﴿ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ﴾ کا مطلب:

اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کو اس طرح پیدا کیا ہے کہ اس کا منہ نیچے کو جھکا ہوا ہے صرف انسان کو دراز قامت، سیدھا بنایا ہے جو اپنے ہاتھوں سے کھاتا پیتا ہے، پھر اس کے اعضاء کو نہایت تناسب کے ساتھ بنایا، ان اعضاء میں سے ظاہری اور زیادہ کام میں آنے والے اہم عضو دو دو بنائے اور ان

① تفسیر ابن کثیر، التین 3:95

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ⑤

پھر ہم نے اسے نیچوں سے نیچے پھینک دیا⑤

میں نہایت مناسب فاصلہ رکھا، پھر اس میں عقل وتدبر، فہم وحکمت اور سمع وبصر کی وہ قوتیں ودیعت کیں جو کسی اور مخلوق کو اس انداز کی نہیں دی گئیں۔ یوں انسان ظاہری شکل وصورت اور حسن وجمال کے اعتبار سے بھی دیگر مخلوقات میں ممتاز ہے اور عقل وتدبر اور فہم وفراست کے لحاظ سے بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک شاہکار ہے۔

﴿ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ﴾ کے مختلف مفہوم:

[5] صحابہ وتابعین سے اس کی دو تفسیریں منقول ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے مراد کِبَرِ سِنِی (بڑھاپے) کی حالت میں لاحق ہونے والا وہ ضعف اور عقل وفہم کی صلاحیتوں کا سلب ہو جانا ہے جس سے بہت سے انسان دو چار ہو جاتے ہیں حتی کہ بعض عباد صالحین بھی زیادہ بڑھاپے میں اس سے محفوظ نہیں رہتے۔ اس تفسیر کی رو سے مطلب ہوگا کہ قوت اور صحت کے زمانے میں جو لوگ نیکیاں کرتے رہے اور بڑھاپے میں جب وہ عقل وفہم کی صلاحیتوں سے محروم یا جسمانی عوارض کی وجہ سے مجبور ومعذور ہو گئے تو اس وقت بھی ان کے نامۂ اعمال میں وہ نیکیاں درج ہوتی رہیں گی جو وہ ضعف واضمحلال کے اس دور سے پہلے کرتے رہے ہوں گے۔ امام طبری رحمہ اللہ نے اسی مفہوم کو ترجیح دی ہے۔ دوسرا مفہوم اس کا یہ ہے کہ اس سے مراد جہنم ہے جو سب سے بدتر اور نچلا درجہ ہے اور اس کے مستحق وہ لوگ ہوں گے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کرنے کی بجائے، کفران نعمت، یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کا راستہ اختیار کیا اور کفر وشرک ہی میں ساری زندگی گزار دی۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بہترین ساخت پر پیدا فرمایا اور عقل وفہم کی اعلیٰ صلاحیتوں سے نوازا لیکن انھوں نے اپنے کردار وعمل سے اپنے آپ کو جہنم کے اسفل سافلین (نیچوں سے نیچ) کا مستحق ٹھہرالیا، چنانچہ آخرت میں یہ لوگ تو جہنم کا ایندھن بنیں گے لیکن اہل ایمان اس بدترین

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ⑥

مگر جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے،ان کے لیے بے انتہا اجر ہے ⑥

حشر سے محفوظ رہیں گے۔[1]

ایک تیسرا مفہوم بعض لوگوں نے یہ بیان کیا ہے کہ اس سے مراد کردار کا وہ سفلہ پن ہے جس میں مبتلا ہوکر انسان انتہائی پست اور سانپ بچھو سے بھی زیادہ گیا گزرا ہو جاتا ہے اور اپنے ہی ابنائے جنس کو تباہ و برباد کرنے اور انھیں قتل و غارت گری کا نشانہ بنانے میں خوشی محسوس کرتا ہے۔ یوں گویا ایسے لوگ احسن تقویم کے مرتبۂ بلند سے گر کر پستیٔ کردار کے اسفل سافلین میں جا گرتے ہیں، البتہ اہل ایمان کردار کے اس گھٹیا پن سے محفوظ رہتے ہیں۔

اہلِ ایمان کے اجر کا سلسلہ موت تک منقطع نہیں ہوتا:

[6] پہلے مفہوم کی رو سے اس کا مطلب ہوگا کہ اہل ایمان کا اجر وثواب بڑھاپے کی اس عمر میں بھی برابر لکھا جاتا رہے گا جو صحت و شباب کے زمانے میں ان کے اعمال صالحہ پر لکھا جاتا رہا ہوگا۔ جیسے ایک حدیث میں بھی ہے:

«إِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ أَوْ سَافَرَ كُتِبَ لَهُ مِثْلُ مَا كَانَ يَعْمَلُ مُقِيمًا صَحِيحًا»

"جب بندہ بیمار یا مسافر ہو تو اس کے لیے اس کی مثل لکھا جاتا ہے جو وہ حالتِ اقامت اور صحت میں کرتا ہوتا ہے۔"[2]

گویا ان کے اجر کا سلسلہ موت تک منقطع ہی نہیں ہوتا، چاہے کسی وجہ سے وہ اعمال صالحہ کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکیں۔

اور دوسرے اور تیسرے مفہوم کی رو سے مطلب ہوگا کہ جن اہل ایمان نے ایمان و عمل صالح

---

[1] تفسیر ابن کثیر، التین 5:95 و تفسیر الطبری، التین 5:95

[2] صحیح البخاری، الجهاد والسیر، باب یکتب للمسافر مثل ما کان یعمل فی الإقامة، حدیث: 2996

سُوْرَةُ التِّيْنِ

فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ⑦

پھر (اے انسان!) اس کے بعد تجھے کون سی چیز جزا و سزا کو جھٹلانے پر آمادہ کرتی ہے ⑦

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ⑧ ع

ع 1 8 20

کیا اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم نہیں ہے؟ ⑧

کی زندگی گزاری ہوگی، ان کے لیے دائمی اجر ہے اور وہ جہنم کے اسفل سافلین میں جانے سے محفوظ رہیں گے۔ جَعَلَنَا اللّٰهُ مِنْهُمْ.

[7] یہ انسان سے خطاب ہے زجر و توبیخ کے لیے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے بہترین صورت میں پیدا کیا اور وہ تجھے اس کے برعکس قعر مذلت میں بھی گرانے کی قدرت رکھتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کے لیے دوبارہ پیدا کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔ اس کے بعد بھی تو قیامت اور جزا کا انکار کرتا ہے؟ اس صورت میں ﴿فَمَا يُكَذِّبُكَ﴾ کے معنی اکثر مفسرین نے «مَا يَحْمِلُكَ عَلَى التَّكْذِيبِ» کے کیے ہیں، یعنی اے انسان! تجھے کون سی چیز تکذیب پر آمادہ کرتی ہے؟ اور بعض مفسرین نے مخاطب نبی ﷺ کو بنایا ہے اور مَا کو بمعنی مَنْ (کون) لیا ہے، یعنی اے پیغمبر! اس کے بعد کون آپ کی تکذیب کرتا ہے؟ یعنی جزا کے اثبات پر آپ کی تکذیب کا کوئی جواز نہیں ہے۔

[8] جو کسی پر ظلم نہیں کرتا اور اس کے عدل ہی کا یہ تقاضا ہے کہ وہ قیامت برپا کرے اور ان کی دادرسی کرے جن پر دنیا میں ظلم ہوا کیونکہ اگر ان کی دادرسی کے لیے کوئی دن نہ ہو تو اس کا مطلب ناانصافی اور ظلم ہوگا جس سے اللہ تعالیٰ پاک ہے۔ اللہ سے بڑھ کر تو کوئی حاکم اور عادل ہے ہی نہیں، پھر وہ قیامت کے دن عدل و انصاف کا اہتمام کیوں نہیں کرے گا؟ ضرور کرے گا۔ کیونکہ اس کے بغیر نیک اور بد میں امتیاز ہی قائم نہیں ہوگا جو قیامت برپا کرنے کا اصل مقصد ہے۔ ایک ضعیف حدیث میں اس کا یہ جواب دینا منقول ہے: «بَلٰى وَأَنَا ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ» [1] یہ جواب دینے کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

---

[1] جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة والتين، حديث: 3347
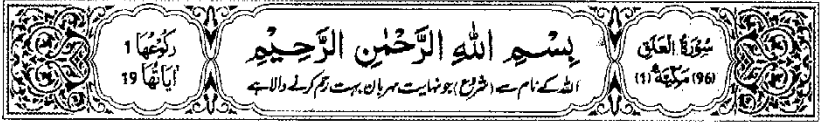
سُوْرَةُ الْعَلَقِ

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ① خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ② اِقْرَاْ

اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے پیدا کیا① اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا② پڑھیے

وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ③

اور آپ کا رب بڑا کریم ہے③

[1] یہ سب سے پہلی وحی ہے جو نبی ﷺ پر اس وقت آئی جب آپ غار حرا میں مصروف عبادت تھے۔ فرشتے نے آ کر کہا: (اِقْرَأْ) ''پڑھیے''۔ آپ نے فرمایا:

«مَا أَنَا بِقَارِئٍ»

''میں تو پڑھا ہوا ہی نہیں ہوں۔''

فرشتے نے آپ کو پکڑ کر زور سے بھینچا اور کہا: (اِقْرَأْ) ''پڑھیے''۔ آپ نے پھر وہی جواب دیا۔ اس طرح تین مرتبہ اس نے آپ کو بھینچا۔ ①

﴿ اِقْرَاْ ﴾ جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے وہ پڑھیں۔ ﴿ خَلَقَ ﴾ جس نے تمام مخلوق کو پیدا کیا۔

[2] مخلوقات میں سے بطور خاص انسان کی پیدائش کا ذکر فرمایا جس سے اس کا شرف واضح ہے۔

[3] یہ بطور تاکید کے فرمایا اور اس میں بڑے بلیغ انداز سے اس اعتذار کا بھی ازالہ فرما دیا جو نبی ﷺ نے پیش کیا: «مَا أَنَا بِقَارِئٍ» ''میں تو قاری (پڑھا ہوا) ہی نہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ بہت کرم والا ہے پڑھیں، یعنی انسانوں کی کوتاہیوں سے درگزر کرنا اس کا وصف خاص ہے۔

① صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ ......، حديث :3 وصحيح مسلم، الإيمان، باب بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ، حديث :160

سُوْرَةُ الْعَلَق

الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ④ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ⑤ كَلَّاۤ اِنَّ

وہ ذات جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا④ اس نے انسان کو وہ علم سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا⑤ سچ مچ!

الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰۤی ⑥ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰی ⑦ اِنَّ اِلٰی رَبِّكَ

انسان تو یقیناً آپے سے باہر ہو جاتا ہے⑥ اس بنا پر کہ وہ خود کو بے پروا سمجھتا ہے⑦ بے شک آپ کے رب ہی کی طرف

الرُّجْعٰی ⑧ اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْهٰی ⑨ عَبْدًا اِذَا صَلّٰی ⑩

واپسی ہے⑧ کیا آپ نے اسے دیکھا جو منع کرتا ہے⑨ ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے؟⑩

اَرَءَیْتَ اِنْ كَانَ عَلَی الْهُدٰۤی ⑪

بھلا دیکھ تو اگر وہ (بندہ) ہدایت پر ہو⑪

قلم کے معنی اور اس کی اہمیت:

[4] قَلَم کے معنی ہیں، قطع کرنا، تراشنا۔ قلم بھی پہلے زمانے میں تراش ہی کر بنائے جاتے تھے، اس لیے آلۂ کتابت کو قلم سے تعبیر کیا۔ کچھ علم تو انسان کے ذہن میں ہوتا ہے، کچھ کا اظہار زبان کے ذریعے سے ہوتا ہے اور کچھ انسان قلم سے کاغذ پر لکھ لیتا ہے۔ ذہن وحافظے میں جو ہوتا ہے وہ انسان کے ساتھ ہی چلا جاتا ہے۔ زبان سے جس کا اظہار کرتا ہے وہ بھی محفوظ نہیں رہتا، البتہ قلم سے لکھا ہوا، اگر وہ کسی وجہ سے ضائع نہ ہو، ہمیشہ محفوظ رہتا ہے۔ اسی قلم کی بدولت تمام علوم، پچھلے لوگوں کی تاریخیں اور اسلاف کا علمی ذخیرہ محفوظ ہے۔ حتیٰ کہ آسمانی کتابوں کی حفاظت کا بھی ذریعہ یہی ہے۔ اس سے قلم کی اہمیت محتاج وضاحت نہیں رہتی، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم کو پیدا کیا اور اس کو تمام مخلوقات کی تقدیر لکھنے کا حکم دیا۔

[10] مفسرین کہتے ہیں کہ روکنے والے سے مراد ابوجہل ہے جو اسلام کا شدید دشمن تھا۔ ﴿عَبْدًا﴾ (ایک بندے) سے مراد نبی ﷺ ہیں۔

[11] جس کو یہ نماز پڑھنے سے روک رہا ہے، وہ ہدایت پر ہو۔

أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوٰى ⑫ أَرَءَيْتَ إِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ⑬ أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ

یا تقویٰ کا حکم دیتا ہو؟⑫ بھلا دیکھ تو اگر وہ (حق کو) جھٹلاتا اور (اس سے) منہ موڑتا ہو؟⑬ کیا وہ نہیں جانتا کہ بے شک

اللّٰهَ يَرٰى ⑭ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ⑮

اللہ دیکھ رہا ہے⑭ ہرگز نہیں! اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اسے پیشانی کے بالوں سے پکڑ کر ضرور گھسیٹیں گے⑮

[12] اخلاص، توحید اور عمل صالح کی تعلیم جس سے جہنم کی آگ سے انسان بچ سکتا ہے۔ تو کیا یہ چیزیں (نماز پڑھنا اور تقویٰ کی تعلیم دینا) ایسی ہیں کہ ان کی مخالفت کی جائے اور اس پر اس کو دھمکیاں دی جائیں؟

[13] ابو جہل اللہ کے پیغمبر کو جھٹلاتا ہو اور ایمان سے اعراض کرتا ہو۔ ﴿أَرَءَيْتَ﴾ بمعنی أَخْبِرُنِي (مجھے بتلاؤ) ہے۔

[14] مطلب یہ ہے کہ یہ شخص جو مذکورہ حرکتیں کر رہا ہے، کیا نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھ رہا ہے، وہ اس کی اس کو جزا دے گا؟ یعنی یہ ﴿أَلَمْ يَعْلَمْ﴾ مذکورہ شرطوں ﴿إِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰى ۙ أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوٰى﴾ ''اگر ہو وہ ہدایت پر۔ یا وہ حکم دیتا ہو پرہیزگاری کا'' ﴿إِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى﴾ ''اگر اس نے جھٹلایا اور روگردانی کی'' کی جزا ہے۔

[15] ﴿لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ﴾ ''البتہ اگر نہ رکا وہ'' یعنی نبی ﷺ کی مخالفت اور دشمنی سے اور آپ کو نماز پڑھنے سے جو روکتا ہے، اس سے باز نہ آیا ﴿لَنَسْفَعًۢا﴾ کے معنی ہیں، لَنَأْخُذَنَّ (البتہ ضرور ہم اسے پکڑیں گے) تو ہم اسے اس کی پیشانی سے پکڑ کر گھسیٹیں گے۔

نبی ﷺ کا فرشتوں کے ذریعے سے ابو جہل کی شرارتوں سے بچاؤ:

حدیث میں آتا ہے، ابو جہل نے کہا تھا: «لَئِنْ رَأَيْتُ مُحَمَّدًا يُصَلِّي عِنْدَ الْكَعْبَةِ لَأَطَأَنَّ عَلٰى عُنُقِهِ» ''اگر میں نے محمد (ﷺ) کو کعبے کے پاس نماز پڑھتے دیکھا تو میں اس کی گردن پر پاؤں رکھ دوں گا (اسے روندوں گا اور یوں ذلیل کروں گا)۔'' نبی ﷺ کو یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا:

نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ⑯ فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ⑰ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ⑱

پیشانی جو جھوٹی اور خطا کار ہے⑯ چنانچہ اسے چاہیے کہ وہ اپنی مجلس والوں کو بلا لے⑰ یقیناً ہم بھی عذاب کے فرشتوں

ع 1 19 21

كَلَّا ط لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ⑲

کو بلا لیں گے⑱ ہرگز نہیں! آپ اس کی اطاعت نہ کریں اور سجدہ کریں اور اللہ کا قرب حاصل کریں⑲

«لَوْ فَعَلَهُ لَأَخَذَتْهُ الْمَلَائِكَةُ»

''اگر وہ ایسا کرتا تو فرشتے اسے پکڑ لیتے۔''①

[16] پیشانی کی یہ صفات بطور مجاز ہیں۔ جھوٹی ہے اپنی بات میں، خطا کار ہے اپنے فعل میں۔

[18] حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے، ابوجہل آیا اور کہنے لگا: «أَلَمْ أَنْهَكَ عَنْ هٰذَا؟» ''کیا میں نے تجھے اس (نماز پڑھنے) سے منع نہیں کیا تھا؟'' تین مرتبہ اس نے نبی ﷺ کو یہ کہا۔ آپ نماز سے فارغ ہوئے تو اسے جھڑکا۔ ابوجہل کہنے لگا: «إِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا بِهَا نَادٍ أَكْثَرَ مِنِّي» ''(اے محمد!) تو جانتا ہے کہ اس وادی میں کسی کے ہم نشین مجھ سے زیادہ نہیں ہیں۔'' پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں: ﴿فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ۝ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ﴾ ''تو اسے چاہیے کہ وہ اپنی مجلس والوں کو بلا لے۔ یقیناً ہم بھی عذاب کے فرشتوں کو بلا لیں گے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: «فَوَاللهِ! لَوْ دَعَا نَادِيَهُ لَأَخَذَتْهُ زَبَانِيَةُ اللهِ»

''اللہ کی قسم! اگر وہ اپنے ہم نشینوں کو بلاتا تو اللہ کے فرشتے اس کو پکڑ لیتے۔''②

اور صحیح مسلم کے الفاظ ہیں کہ اس نے آگے بڑھ کر نبی ﷺ کی گردن پر پیر رکھنے کا ارادہ کیا کہ ایک دم الٹے پاؤں پیچھے ہٹا اور اپنے ہاتھوں سے اپنا بچاؤ کرنے لگا، اس سے کہا گیا: (مَالَكَ؟)

① صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله تعالیٰ: ﴿كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ......﴾، حدیث: 4958

② جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة اقرأ باسم ربك، حدیث: 3349 و مسند أحمد: 329/1 و تفسیر الطبری، العلق 96:171

''تجھے کیا ہو گیا؟'' اس نے کہا: «إِنَّ بَيْنِي وَبَيْنَهُ لَخَنْدَقًا مِّنْ نَّارٍ وَّهَوْلاً وَّأَجْنِحَةً»
''میرے اور اس (محمد) کے درمیان آگ کی خندق، ہولناک منظر اور بہت سارے پر ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ دَنَا مِنِّي لَاخْتَطَفَتْهُ الْمَلَائِكَةُ عُضْوًا عُضْوًا»

''اگر یہ میرے قریب ہوتا تو فرشتے اس کی بوٹی بوٹی نوچ لیتے۔''[1]

﴿الزَّبَانِيَةَ﴾ داروغے اور پولیس، یعنی طاقتور لشکر جس کا کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔

[1] صحيح مسلم، صفات المنافقين، باب قوله ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ لَيَطْغَىٰ ۞ أَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى﴾، حديث: 2797

سُوْرَةُ الْقَدْرِ

اس سورت کے مکی اور مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔اس کی وجہ تسمیہ میں بھی اختلاف ہے۔

لیلۃ القدر کے معنی، فضیلت اور اسے مبہم رکھنے کی حکمت:

قَدْر کے معنی قدر و منزلت بھی ہیں، اس لیے اسے شب قدر کہتے ہیں۔اس کے معنی اندازہ اور فیصلہ کرنا بھی ہیں، اس میں سال بھر کے لیے فیصلے کیے جاتے ہیں، اسی لیے اسے لَيْلَةُ الْحُكْمِ بھی کہتے ہیں۔اس کے معنی تنگی کے بھی ہیں، اس رات اتنی کثرت سے زمین پر فرشتے اترتے ہیں کہ زمین تنگ ہو جاتی ہے۔شب قدر، یعنی تنگی کی رات۔ یا اس لیے یہ نام رکھا گیا کہ اس رات جو عبادت کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی بڑی قدر ہے اور اس پر بڑا ثواب ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ يَقُمْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»

''جو شخص ایمان کا تقاضا سمجھ کر ثواب کی نیت سے شب قدر کا قیام کرے گا اس کے سابقہ گناہ بخش دیے جائیں گے۔''[1]

اس کی تعیین میں بھی شدید اختلاف ہے۔[2] تاہم احادیث و آثار سے واضح ہے کہ یہ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِي الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ»

''لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔''[3]

---

[1] صحیح البخاری، الإیمان، باب قیام لیلة القدر من الإیمان، حدیث : 35 وصحیح مسلم، صلاة المسافرین، باب الترغیب فی قیام رمضان......، حدیث : 760

[2] فتح القدیر، القدر 1:97

[3] صحیح البخاری، فضل لیلة القدر، باب تحری لیلة القدر فی الوتر......، حدیث : 2017

سُوْرَةُ الْقَدْرِ

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ① وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ②

بے شک ہم نے اس (قرآن) کو لیلۃ القدر میں نازل کیا① اور آپ کو کیا معلوم کہ لیلۃ القدر کیا ہے؟②

لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ③ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ

لیلۃ القدر ہزار مہینے سے بہتر ہے ③ اس رات میں فرشتے اور روح (جبریل)

فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ ④

اپنے رب کے حکم سے ہر کام کے لیے نازل ہوتے ہیں④

اس کو مبہم رکھنے میں یہی حکمت ہے کہ لوگ پانچوں ہی طاق راتوں میں اس کی فضیلت حاصل کرنے کے شوق میں اللہ تعالیٰ کی خوب عبادت کریں۔

[1] اتارنے کا آغاز کیا یا لوح محفوظ سے اس بیت العزت میں جو آسمان دنیا پر ہے ایک ہی مرتبہ اتار دیا اور وہاں سے حسب وقائع نبی ﷺ پر اترتا رہا تا آنکہ 23 سال میں پورا ہو گیا۔ اور لیلۃ القدر رمضان ہی میں ہوتی ہے جیسا کہ قرآن مجید کی آیت: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ ''رمضان وہ ماہ مقدس ہے جس میں قرآن کا نزول ہوا۔''[1] سے واضح ہے۔

[2] اس استفہام سے اس رات کی عظمت و اہمیت واضح ہے، گویا کہ مخلوق اس کی تہ تک پوری طرح نہیں پہنچ سکتی، یہ صرف ایک اللہ ہی ہے جو اس کو جانتا ہے۔

[3] اس ایک رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے اور ہزار مہینے 83 سال 4 مہینے بنتے ہیں۔ یہ امت محمدیہ پر اللہ تعالیٰ کا کتنا احسان عظیم ہے کہ مختصر عمر میں زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل کرنے کے لیے کیسی سہولت عطا فرما دی۔

[4] روح سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہیں، یعنی فرشتے حضرت جبرائیل علیہ السلام سمیت اس رات میں زمین پر اترتے ہیں ان کاموں کو سرانجام دینے کے لیے جن کا فیصلہ اس سال میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

① البقرۃ 2:185

سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ⑤

طلوع فجر تک سلامتی (ہی سلامتی) ہے⑤

[5] ﴿سَلٰمٌ ۛ هِيَ﴾ ''سلامتی (ہی سلامتی) ہے وہ رات'' یعنی اس میں شر نہیں۔ یا اس معنی میں سلامتی والی ہے کہ مومن اس رات کو شیطان کے شر سے محفوظ رہتے ہیں۔ یا فرشتے اہل ایمان کو سلام عرض کرتے ہیں یا فرشتے ہی آپس میں ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں۔

شب قدر کی مخصوص دعا:

شب قدر کے لیے نبی ﷺ نے بطور خاص یہ دعا بتلائی ہے:

«اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي»

''اے اللہ! تو بہت معاف کرنے والا ہے، معافی کو پسند کرتا ہے، پس تو مجھے بھی معاف کردے۔'' اس لیے شب قدر میں اسے کثرت سے پڑھنا چاہیے۔[1]

[1] جامع الترمذی، الدعوات، باب فی فضل سؤال العافیة والمعافاة، حدیث: 3513 و سنن ابن ماجه، الدعاء، باب الدعاء بالعفو والعافیة، حدیث: 3850

سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ

سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ (98) مَدَنِيَّةٌ (100) — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — رُكُوْعُهَا 1 اٰيَاتُهَا 8

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے
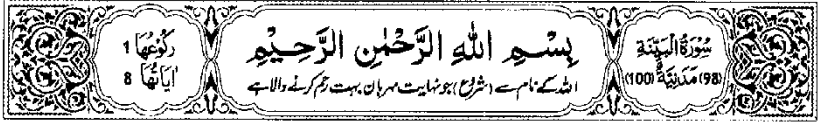
لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ

اہل کتاب کے بعض کافر اور مشرکین (کفر سے) رکنے والے نہ تھے

حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ①

یہاں تک کہ ان کے پاس واضح دلیل آ جائے ①

اس کا دوسرا نام سورۂ لَمْ یَکُنْ بھی ہے۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی فضیلت:

حدیث میں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ أَمَرَنِي أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ» ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾

”بے شک اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھ پر سورہ ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ پڑھوں۔“

حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: (وَسَمَّانِي؟) اور (کیا اللہ نے آپ کے سامنے) میرا نام لیا ہے؟ آپ نے فرمایا: (نَعَمْ) ”ہاں۔“ جس پر (مارے خوشی کے) حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔[1]

[1] ﴿اَهْلِ الْكِتٰبِ﴾ سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔

﴿وَالْمُشْرِكِيْنَ﴾ سے مراد عرب و عجم کے وہ لوگ ہیں جو بتوں اور آگ کے پجاری تھے۔ ﴿مُنْفَكِّيْنَ﴾ ”باز آنے والے۔“ یہ ﴿لَمْ يَكُنْ﴾ (نہیں تھے وہ) کی خبر ہے۔ ﴿الْبَيِّنَةُ﴾ (دلیل) سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یعنی یہود و نصاریٰ اور عرب و عجم کے مشرکین اپنے کفر و شرک سے باز آنے والے نہیں ہیں یہاں تک کہ ان کے پاس محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرآن لے کر آ جائیں اور وہ ان کی ضلالت و جہالت بیان کریں اور انھیں ایمان کی دعوت دیں۔

---

① صحيح البخاري، التفسير، باب سورة ﴿لَمْ يَكُنْ﴾، حديث: 4959

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ② فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ③

اللہ کی طرف سے ایک رسول جو پاکیزہ صحیفے پڑھے ② جن میں درست اور معتدل احکام ہیں ③

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ④

اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی، ان میں تفرقہ ان کے پاس واضح دلیل آ جانے کے بعد پڑا ④

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا

حالانکہ انھیں یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ بندگی کو اللہ کے لیے خالص کر کے، یکسو ہو کر، اس کی عبادت کریں، اور وہ

الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ⑤

اور وہ نماز کو قائم کریں اور زکاۃ دیں، اور یہی سیدھی ملت کا دین ہے ⑤

[2] ﴿ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ ”ایک رسول اللہ کی طرف سے“ یعنی محمد ﷺ۔ ﴿ رَسُوْلٌ ﴾ ﴿ الْبَيِّنَةُ ﴾ سے بدل ہے۔ یا هِيَ (مبتدا محذوف) کی خبر ہے۔ یعنی هِيَ الْبَيِّنَةُ رَسُوْلٌ ”وہ دلیل رسول ہے۔“ ﴿ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ﴾ ”وہ پڑھے صحیفے پاکیزہ“ یعنی قرآن مجید جو لوح محفوظ میں پاک صحیفوں میں درج ہے۔

[3] یہاں ﴿ كُتُبٌ ﴾ سے مراد احکام دینیہ ہیں اور ﴿ قَيِّمَةٌ ﴾ کا مطلب، معتدل اور سیدھے۔

[4] اہل کتاب نبیٔ کریم ﷺ کی آمد سے قبل مجتمع تھے یہاں تک کہ آپ کی بعثت ہو گئی، اس کے بعد یہ متفرق ہو گئے، ان میں سے کچھ مومن ہو گئے لیکن اکثریت ایمان سے محروم ہی رہی۔ نبیٔ اکرم ﷺ کی بعثت و رسالت کو دلیل سے تعبیر کرنے میں یہی نکتہ ہے کہ آپ کی صداقت واضح تھی جس میں مجال انکار نہیں تھی۔ لیکن ان لوگوں نے آپ کی تکذیب محض حسد اور عناد کی وجہ سے کی۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں تفرقے کا ارتکاب کرنے والوں میں صرف اہل کتاب کا نام لیا ہے، حالانکہ دوسروں نے بھی اس کا ارتکاب کیا تھا کیونکہ یہ بہرحال علم والے تھے اور آپ کی آمد اور صفات کا تذکرہ ان کی کتابوں میں موجود تھا۔

[5] ان کی کتابوں میں انھیں حکم تو یہ دیا گیا تھا کہ وہ بندگی کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر کے، یکسو

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ

بے شک اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر کیا اور مشرکین آتشِ جہنم میں جلیں گے،

خٰلِدِينَ فِيهَا ؕ أُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ⑥ إِنَّ الَّذِينَ اٰمَنُوا

وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، وہی لوگ مخلوق میں بدترین ہیں ⑥ بے شک جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ أُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ⑦

اور انھوں نے نیک عمل کیے، وہی لوگ مخلوق میں بہترین ہیں ⑦

ہو کر، اس کی عبادت کریں، نماز کو قائم کریں اور زکوۃ دیں۔ حَنِيفٌ کے معنی ہیں ''مائل ہونا'' یعنی باطل سے ہٹ کر حق کی طرف آ جانا، کسی ایک طرف یکسو ہونا۔ ﴿حُنَفَآءَ﴾ جمع ہے، یعنی شرک سے توحید کی طرف اور تمام ادیان سے منقطع ہو کر صرف دین اسلام کی طرف مائل اور یکسو ہوتے ہوئے، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا۔

﴿الْقَيِّمَةِ﴾ محذوف موصوف کی صفت ہے۔ «دِيْنُ الْمِلَّةِ الْقَيِّمَةِ أَيِ الْمُسْتَقِيمَةِ» (یہ راست رو ملت کا دین ہے) «أَوِ الْأُمَّةِ الْمُسْتَقِيمَةِ الْمُعْتَدِلَةِ» (یہی اس ملت یا امت کا دین ہے جو سیدھی اور معتدل ہے)۔

اعمال ایمان میں داخل ہیں:

اکثر ائمہ نے اس آیت سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں۔ ①

[6] یہ اللہ کے رسولوں اور اس کی کتابوں کا انکار کرنے والوں کا انجام ہے، نیز انھیں تمام مخلوقات میں بدترین قرار دیا گیا۔

[7] جو دل کے ساتھ ایمان لائے اور جنھوں نے اعضاء کے ساتھ عمل کیے، وہ تمام مخلوقات سے بہتر اور افضل ہیں۔

① تفسیر ابن کثیر، البینة 5:98

جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

ان کی جزاان کے رب کے ہاں ہمیشہ رہنے والے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے

فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۸ ؑ

ابد تک، اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی، یہ اس کو ملتا ہے جو اپنے رب سے ڈر گیا⑧

ع 1 8 23

ملائکہ افضل ہیں یا مومن؟:

جو اہل علم اس بات کے قائل ہیں کہ مومن بندے ملائکہ سے شرف وفضل میں بہترین ہیں، ان کی ایک دلیل یہ آیت بھی ہے۔ ﴿الْبَرِيَّةِ﴾، بَرَأَ (خَلَقَ ''پیدا کیا اس نے'') سے ہے۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کی صفت البَارِئُ ہے۔ اس لیے بَرِيَّة اصل میں بَرِيْئَةٌ ہے، ہمزہ کو یاء سے بدل کر یاء کو یاء میں مدغم کر دیا گیا۔

[8] جنت اور رضائے الٰہی کا یہ حصول ان کے ایمان و طاعت اور اعمال صالحہ کے سبب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہے۔ ﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ ''اور اللہ کی رضامندی سب سے بڑی چیز ہے۔''①

﴿وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ﴾ ''اور وہ راضی ہوئے اللہ سے۔'' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ایسی نعمتوں سے نواز دیا جن میں ان کی روح اور بدن دونوں کی سعادتیں ہیں۔

﴿ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ؑ﴾ ''یہ اس شخص کے لیے ہے جو ڈر گیا اپنے رب سے'' یعنی یہ جزا اور رضامندی ان لوگوں کے لیے ہے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے اور اس ڈر ہی کی وجہ سے اللہ کی نافرمانی کے ارتکاب سے بچتے رہے۔ اگر کسی وقت بہ تقاضائے بشریت نافرمانی ہو گئی تو فوراً توبہ کر لی اور آئندہ کے لیے اپنی اصلاح کر لی حتی کہ ان کی موت اسی اطاعت پر ہوئی نہ کہ معصیت پر۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا معصیت پر اصرار اور دوام نہیں کر سکتا اور جو ایسا کرتا ہے حقیقت میں اس کا دل اللہ تعالیٰ کے خوف سے خالی ہے۔

① التوبة 9:72

سُوْرَةُ الزَّلْزَالِ

رُكُوْعُهَا 1 آيَاتُهَا 8 — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — سُوْرَةُ الزَّلْزَالِ (59) مَدَنِيَّةٌ (93)

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے
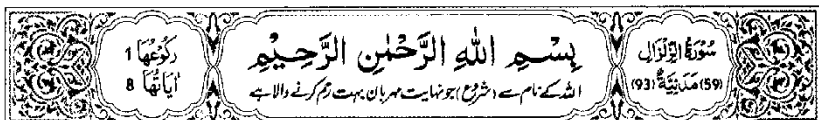
اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ① وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ②

جب زمین پورے زور سے ہلائی جائے گی ①اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال دے گی ②

وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ③ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ④

اور انسان کہے گا: اسے کیا ہوا؟③اس دن وہ اپنے (خود پر گزرنے والے) حالات بیان کرے گی④

اس کے مدنی اور مکی ہونے میں اختلاف ہے، اس کی فضیلت میں متعدد روایات منقول ہیں لیکن ان میں سے کوئی روایت صحیح نہیں ہے۔

[1] اس کا مطلب ہے سخت بھونچال سے ساری زمین لرز اٹھے گی اور ہر چیز ٹوٹ پھوٹ جائے گی۔ یہ اس وقت ہوگا جب پہلی مرتبہ صور پھونکا جائے گا۔

[2] زمین میں جتنے انسان دفن ہیں وہ زمین کا بوجھ ہیں جنھیں زمین قیامت والے دن باہر نکال پھینکے گی، یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے سب زندہ ہوکر باہر نکل آئیں گے۔ یہ دوسرے نفخے میں ہوگا۔ اسی طرح زمین کے خزانے بھی باہر نکل آئیں گے۔

[3] دہشت زدہ ہوکر کہے گا کہ اسے کیا ہو گیا ہے؟ یہ کیوں اس طرح ہل رہی ہے اور اپنے خزانے اگل رہی ہے؟

[4] یہ جواب شرط ہے۔ ایک ضعیف حدیث میں ہے، نبی ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور پوچھا: «أَتَدْرُونَ مَا أَخْبَارُهَا» ”کیا تم جانتے ہو، زمین کی خبریں کیا ہیں؟“ صحابہ نے عرض کیا: «اَللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ» ”اللہ اور اس کے رسول بہتر جانتے ہیں۔“ آپ نے فرمایا:

«فَإِنَّ أَخْبَارَهَا أَنْ تَشْهَدَ عَلٰى كُلِّ عَبْدٍ أَوْ أَمَةٍ بِمَا عَمِلَ عَلٰى ظَهْرِهَا، تَقُولَ: عَمِلَ يَوْمَ كَذَا، كَذَا وَكَذَا فَهٰذِهِ أَخْبَارُهَا»

”اس کی خبریں یہ ہیں کہ جس بندے یا بندی نے اس (زمین) کی پشت پر جو کچھ کیا ہوگا اس پر

بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ⑤ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ⑥

کیونکہ آپ کا رب اسے (یہی) حکم دے گا⑤ اس روز لوگ الگ الگ ہو کر لوٹیں گے تاکہ انھیں ان کے اعمال دکھائے جائیں⑥

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ⑦ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ

لہٰذا جس نے ذرہ بھر بھلائی کی وہ اسے دیکھ لے گا ⑦ اور جس نے ذرہ بھر

شَرًّا يَّرَهٗ ⑧

ع 1 8 24

برائی کی وہ بھی اسے دیکھ لے گا⑧

گواہی دے گی۔ کہے گی: اس نے فلاں دن، فلاں فلاں عمل کیا تھا۔ پس یہ اس کی خبریں ہیں۔"[1]

[5] زمین کو یہ قوت گویائی اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا، اس لیے اس میں تعجب والی بات نہیں ہے جس طرح انسانی اعضاء میں اللہ تعالیٰ یہ قوت پیدا فرما دے گا، زمین کو بھی اللہ تعالیٰ متکلم بنا دے گا اور وہ اللہ کے حکم سے بولے گی۔

[6] ﴿ يَّصْدُرُ ﴾ يَرْجِعُ (لوٹیں گے) یہ ورود کی ضد ہے، یعنی قبروں سے نکل کر موقف حساب کی طرف یا حساب کے بعد جنت اور دوزخ کی طرف لوٹیں گے۔ ﴿ اَشْتَاتًا ﴾ "متفرق" یعنی ٹولیاں ٹولیاں۔ بعض بے خوف ہوں گے، بعض خوف زدہ، بعض کے رنگ سفید ہوں گے، جیسے جنتیوں کے ہوں گے اور بعض کے رنگ سیاہ جوان کے جہنمی ہونے کی علامت ہوگی۔ بعض کا رخ دائیں جانب ہوگا تو بعض کا بائیں جانب۔ یا یہ مختلف گروہ ادیان و مذاہب کی بنیاد پر ہوں گے، جیسے عیسائی، یہودی، مسلمان وغیرہ۔ یا اعمالِ صالحہ اور اعمالِ سیئہ کی بنیاد پر ہوں گے، جیسے نیکوکار اور بدکار۔ اطاعت گزار و فرماں بردار اور نافرمان و خطا کار۔ ﴿ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ﴾ "تاکہ دکھائے جائیں وہ اپنے اعمال۔" یہ متعلق ہے ﴿ يَّصْدُرُ ﴾ کے یا اس کا تعلق ﴿ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ﴾ سے ہے، یعنی زمین اپنی خبریں اس لیے بیان کرے گی تاکہ انسانوں کو ان کے اعمال دکھا دیے جائیں۔

[7] پس وہ اس سے خوش ہوگا۔

[8] وہ اس پر سخت پشیمان اور مضطرب ہوگا۔

---

[1] جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة إذا زلزلت الأرض، حديث:3353 ومسند أحمد:374/2

ذرہ کے معنی اور مفہوم:

ذرہ بعض کے نزدیک چیونٹی سے بھی چھوٹی چیز ہے۔ بعض اہل لغت کہتے ہیں، انسان زمین پر ہاتھ مارتا ہے، اس سے اس کے ہاتھ پر جو مٹی لگ جاتی ہے وہ ذرہ ہے۔ بعض کے نزدیک سوراخ سے آنے والی سورج کی شعاعوں میں گرد وغبار کے جو ذرات سے نظر آتے ہیں وہ ذرہ ہے۔ لیکن امام شوکانی رحمہ اللہ نے پہلے معنی کو اولیٰ کہا ہے۔

امام مقاتل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ سورت ان دو آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جن میں سے ایک شخص سائل کو تھوڑا سا صدقہ دینے میں تامل کرتا اور دوسرا شخص چھوٹا گناہ کرنے میں کوئی خوف محسوس نہ کرتا تھا۔ [1]

[1] فتح القدیر، الزلزال 99:7-8

سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ﴿1﴾ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ﴿2﴾ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ﴿3﴾

سرپٹ دوڑتے، ہانپتے گھوڑوں کی قسم ① پھر سم مار کر چنگاریاں نکالنے والونکی ② پھر صبح کے وقت حملہ کرنیوالوں کی ③

فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ﴿4﴾ فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ﴿5﴾

پھر اس وقت وہ گرد وغبار اڑاتے ہیں ④ پھر اس وقت وہ (دشمن کی) جماعت کے درمیان گھس جاتے ہیں ⑤

[1] عَادِيَاتٍ، عَادِيَةٌ کی جمع ہے۔ یہ عَدْوٌ سے ہے جیسے غَزْوٌ ہے۔ غَازِيَاتٌ کی طرح اس کے واؤ کو بھی یاء سے بدل دیا گیا ہے۔ مطلب ہے، تیز رو گھوڑے۔ ضَبْحٌ کے معنی بعض کے نزدیک ہانپنا اور بعض کے نزدیک ہنہنانا ہے۔ مراد وہ گھوڑے ہیں جو ہانپتے یا ہنہناتے ہوئے جہاد میں تیزی سے دشمن کی طرف دوڑتے ہیں۔

[2] مُوْرِيَات، اِيْرَاء سے ہے۔ معنی ہیں ''آگ نکالنے والے۔'' قَدْحٌ کے معنی ہیں، صَكٌّ، چلنے میں گھٹنوں یا ایڑیوں کا ٹکرانا، یا ٹاپ مارنا۔ اسی سے قَدْحٌ بِالزِّنَادِ ہے ''چقماق سے آگ نکالنا۔'' یعنی ان گھوڑوں کی قسم جن کی ٹاپوں کی رگڑ سے پتھروں سے آگ نکلتی ہے، جیسے چقماق سے نکلتی ہے۔

[3] مُغِيْرَات، أَغَارَ يُغِيْرُ سے ہے، شب خون مارنے یا دھاوا بولنے والے۔ ﴿صُبْحًا﴾ ''صبح کے وقت'' عرب میں عام طور پر حملہ اسی وقت کیا جاتا تھا۔ شب خون تو وہ مارتے ہیں جو فوجی گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں لیکن اس کی نسبت گھوڑوں کی طرف اس لیے کی ہے کہ دھاوا بولنے میں فوجیوں کے یہ بہت زیادہ کام آتے ہیں۔

④ ﴿فَاَثَرْنَ﴾ إِثَارَةٌ سے ہے جس کے معنی ہیں۔ ''اڑانا۔'' ﴿نَقْعًا﴾ ''گرد وغبار۔'' یعنی یہ گھوڑے جس وقت تیزی سے دوڑتے یا دھاوا بولتے ہیں تو اس جگہ پر گرد وغبار چھا جاتا ہے۔

[5] ﴿فَوَسَطْنَ﴾ ''درمیان میں گھس جاتے ہیں۔'' اس وقت یا حالت گرد وغبار میں۔ ﴿جَمْعًا﴾

إِنَّ الْإِنسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ ⑥ وَإِنَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ لَشَهِيدٌ ⑦

بے شک انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے⑥ اور بے شک وہ اس بات پر (خود بھی) گواہ ہے⑦

وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ ⑧ أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا

اور بے شک وہ مال کی محبت میں بری طرح گرفتار ہے⑧ کیا پھر وہ نہیں جانتا جب نکال باہر کیا جائے گا جو کچھ

فِي الْقُبُورِ ⑨ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ⑩

قبروں میں ہے⑨ اور ظاہر کر دیا جائے گا جو کچھ سینوں میں ہے⑩

دشمن کے لشکر۔ مطلب ہے کہ اس وقت یا جبکہ فضا گرد وغبار سے اٹی ہوتی ہے، یہ گھوڑے دشمن کے لشکروں میں گھس جاتے ہیں اور گھمسان کی جنگ کرتے ہیں۔

[6] یہ جوابِ قسم ہے۔ انسان سے مراد کافر، یعنی بعض افراد ہیں۔ كَنُود بمعنی كَفُورٌ "بڑا ناشکرا۔"

[7] انسان خود بھی اپنی ناشکری کی گواہی دیتا ہے۔ بعض ﴿لَشَهِيدٌ﴾ (شاہد) کا فاعل اللہ تعالیٰ کو قرار دیتے ہیں۔ لیکن امام شوکانی رحمہ اللہ نے پہلے مفہوم کو راجح قرار دیا ہے کیونکہ مابعد کی آیات میں ضمیر کا مرجع انسان ہی ہے۔[1] اس لیے یہاں بھی انسان ہی ہونا زیادہ صحیح ہے۔

[8] ﴿الْخَيْرِ﴾ سے مراد مال ہے، جیسے ﴿إِن تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ﴾ "اگر وہ (جس کی موت کا وقت آ پہنچا) مال چھوڑے جا رہا ہو تو وصیت کرے"[2] میں ہے، معنی واضح ہیں۔ ایک دوسرا مفہوم یہ ہے کہ نہایت حریص اور بخیل ہے، جو مال کی شدید محبت کا لازمی نتیجہ ہے۔

[9] ﴿بُعْثِرَ﴾ نُثِرَ وَ بُحِثَ، یعنی قبروں کے مردوں کو زندہ کر کے اٹھا کھڑا کر دیا جائے گا۔

[10] ﴿وَحُصِّلَ﴾ مُيِّزَ وَ بُيِّنَ، یعنی سینوں کی باتوں کو ظاہر اور کھول دیا جائے گا۔

---

① فتح القدير، العاديات 7:100

② البقرة 2: 180

إِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ⑪ ع

ع 1/11/25

بے شک ان کا رب اس دن ان (کے حال) سے خوب آ گاہ ہوگا⑪

[11] جو رب ان کو قبروں سے نکال لے گا، ان کے سینوں کے رازوں کو ظاہر کر دے گا، اس کے متعلق ہر شخص جان سکتا ہے کہ وہ کتنا باخبر ہے اور اس سے کوئی چیز مخفی نہیں رہ سکتی۔ چنانچہ پھر وہ ہر ایک کو اس کے عملوں کے مطابق اچھی یا بری جزا دے گا۔ یہ گویا ان اشخاص کو تنبیہ ہے جو رب کی نعمتیں تو استعمال کرتے ہیں لیکن اس کا شکر ادا کرنے کی بجائے اس کی ناشکری کرتے ہیں۔ اسی طرح مال کی محبت میں گرفتار ہو کر مال کے وہ حقوق ادا نہیں کرتے جو اللہ تعالیٰ نے اس میں دوسرے لوگوں کے رکھے ہیں۔

سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ

سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ (101) مَكِّيَّةٌ (30) | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُكُوْعُهَا 1 اٰيَاتُهَا 11

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے
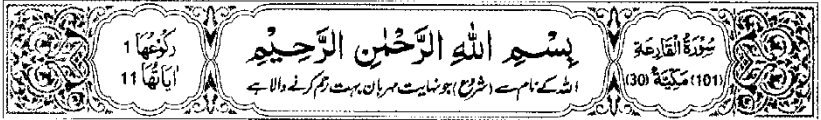
اَلْقَارِعَةُ ① مَا الْقَارِعَةُ ② وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ③

کھڑکھڑا دینے والی ① کیا ہے وہ کھڑکھڑا دینے والی! ② اور آپ کو کیا معلوم کہ وہ کھڑکھڑا دینے والی کیا ہے؟ ③

يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ④ وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ

جس دن لوگ (ایسے) ہو جائیں گے جیسے بکھرے ہوئے پروانے ④ اور پہاڑ دھنکی ہوئی

كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ⑤ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ⑥

رنگین اُون جیسے ہو جائیں گے ⑤ پھر جس شخص کے پلڑے بھاری ہو گئے ⑥

[1] یہ بھی قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے، جیسے اس سے قبل اس کے متعدد نام بیان ہوئے ہیں، مثلاً: ﴿الْوَاقِعَةُ﴾ ﴿اَلْحَاقَّةُ﴾، ﴿الطَّآمَّةُ﴾، ﴿الصَّآخَّةُ﴾، ﴿الْغَاشِيَةِ﴾، ﴿السَّاعَةُ﴾، وغیرہ۔ ﴿اَلْقَارِعَةُ﴾ اسے اس لیے کہتے ہیں کہ یہ اپنی ہولناکیوں سے دلوں کو بیدار اور اللہ کے دشمنوں کو عذاب سے خبردار کر دے گی، جیسے دروازہ کھٹکھٹانے والا کرتا ہے۔

[4] فَرَاشٍ، مچھر اور شمع کے گرد منڈلانے والے پتنگے، پروانے وغیرہ۔ مَبْثُوْث، منتشر اور بکھرے ہوئے، یعنی قیامت کے دن انسان بھی پروانوں کی طرح پراگندہ اور بکھرے ہوئے ہوں گے۔

[5] عِهْن اس اون کو کہتے ہیں جو مختلف رنگوں کے ساتھ رنگی ہوئی ہو، مَنْفُوْش ''دھنی ہوئی۔'' یہ پہاڑوں کی وہ کیفیت بیان کی گئی ہے جو قیامت کے دن ان کی ہوگی۔ قرآن کریم میں پہاڑوں کی یہ کیفیت مختلف انداز میں بیان کی گئی ہے جس کی تفصیل سورۃ النبا، آیت:20 کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ اب آگے ان دو فریقوں کا اجمالی ذکر کیا جا رہا ہے جو قیامت کے دن اعمال کے اعتبار سے ہوں گے۔

[6] مَوَازِيْن، مِيْزَان کی جمع ہے۔ ترازو جس میں صحائف اعمال تولے جائیں گے۔ جیسا کہ

فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ⑦ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ⑧
تو وہ اپنی پسند کی زندگی میں ہو گا ⑦اور جس شخص کے پلڑے ہلکے ہوگئے ⑧
فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ⑨
تو اس کا ٹھکانا ہاویہ (گڑھا) ہوگا⑨

اس کا ذکر سورۃ الأعراف، سورۃ الکھف اور سورۃ الأنبیاء میں بھی کیا گیا ہے۔[1] یہاں میزان (واحد) کی بجائے جمع (موازین) کا لفظ لایا گیا ہے، اس کی توجیہ میں کہا گیا ہے کہ مختلف اعمال کے لیے مختلف ترازوئیں ہوں گی۔ یا تعظیم وتفخیم کے طور پر جمع کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ بعض مترجمین نے جمع کے اعتبار سے معنی پلڑے کیے ہیں۔ اور امام ابن جریر رحمہ اللہ کے نزدیک موازین یہاں وزن کے معنی میں ہے۔[2] ﴿مَوَازِيْنُهٗ﴾، یعنی وَزْنُ حَسَنَاتِه (اس کی نیکیوں کا وزن) تول میں اس کی نیکیاں بھاری یا ہلکی ہوگئیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہاں یہ میزان نہیں مَوْزُوْن کی جمع ہے، یعنی ایسے اعمال جن کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی اہمیت اور خاص وزن ہوگا۔[3] مطلب یہ ہے کہ جن کی نیکیاں زیادہ ہوں گی اور وزنِ اعمال کے وقت ان کی نیکیوں والا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔

[7] ایسی زندگی جس کو وہ صاحبِ زندگی پسند کرے گا کیونکہ اس میں آسائشیں ہی آسائشیں ہوں گی، کلفت نام کی کوئی چیز نہیں ہوگی۔ ﴿رَّاضِيَةٍ﴾ بمعنی مَرْضِيَّة (پسندیدہ) ہے۔

[8] جس کی برائیاں نیکیوں پر غالب ہوں گی اور برائیوں کا پلڑا بھاری اور نیکیوں کا ہلکا ہوگا۔

[9] ﴿هَاوِيَةٌ﴾ جہنم کا نام ہے، اس کو ہاویہ اس لیے کہتے ہیں کہ جہنمی اس کی گہرائی میں گرے گا۔ اور اس کو ﴿فَاُمُّهٗ﴾ (اس کی ماں) سے اس لیے تعبیر کیا کہ جس طرح انسان کے لیے ماں، جائے پناہ ہوتی ہے اسی طرح جہنمیوں کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ اُمّ کے معنی دماغ کے

---

① الأعراف7: 8-9 والکھف18: 105 والأنبیاء21: 47

② تفسیر الطبری، القارعة 101: 6

③ فتح القدیر، القارعة 101: 6-7

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ⑩ نَارٌ حَامِيَةٌ ⑪

ع 1 11 26

اور آپ کو کیا معلوم کہ ''ہاویہ'' کیا ہے⑩ وہ سخت دہکتی ہوئی آگ ہے⑪

ہیں۔ جہنمی جہنم میں سر کے بل ڈالے جائیں گے۔ ①

[10] یہ استفہام اس کی ہولناکی اور شدت عذاب کو بیان کرنے کے لیے ہے کہ وہ انسان کے وہم وتصور سے بالا ہے، انسانی علوم اس کا احاطہ نہیں کر سکتے اور اس کی کُنہ نہیں جان سکتے۔

جہنم کی آگ کی شدت اور اس کا دو مرتبہ سانس لینا:

[11] جس طرح حدیث میں ہے:

«نَارُكُمْ جُزْءٌ مِّنْ سَبْعِينَ جُزْءًا مِّنْ نَّارِ جَهَنَّمَ»

''تمھاری (دنیا کی) آگ جہنم کی آگ کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔''

صحابہ نے کہا: «يَارَسُولَ اللهِ! إِنْ كَانَتْ لَكَافِيَةً» '' اے اللہ کے رسول! (انسانوں کو عذاب دینے کے لیے دنیا کی آگ) یہی کافی تھی۔''

نبی ﷺ نے فرمایا:

«فُضِّلَتْ عَلَيْهِنَّ بِتِسْعَةٍ وَّسِتِّينَ جُزْءًا كُلُّهُنَّ مِثْلُ حَرِّهَا»

''(جہنم کی آگ کو) اس پر انہتر درجے زیادہ فوقیت دی گئی ہے، اس کا ہر حصہ اس کے برابر گرم ہے۔'' ②

ایک اور حدیث میں ہے:

«اِشْتَكَتِ النَّارُ إِلٰى رَبِّهَا فَقَالَتْ: رَبِّ اَكَلَ بَعْضِي بَعْضًا، فَأَذِنَ لَهَا بِنَفَسَيْنِ، نَفَسٍ فِي الشِّتَاءِ وَنَفَسٍ فِي الصَّيْفِ، فَاَشَدُّ مَا

① تفسیر ابن کثیر، القارعة 9:101

② صحيح البخاري، بدء الخلق، باب صفة النار وأنها مخلوقة، حديث: 3265 و صحيح مسلم، الجنة و نعيمها، باب جهنم أعاذنا الله منها، حديث: 2843

تَجِدُونَ مِنَ الْحَرِّ وَأَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الزَّمْهَرِيرِ»

''آگ نے اپنے رب سے شکایت کی کہ میرا ایک حصہ دوسرے حصے کو کھائے جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے دو سانس لینے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ ایک سانس گرمی میں اور ایک سانس سردی میں، پس جو سخت گرمی تم پاتے ہو (یہ اس کا گرم سانس ہے) اور سخت سردی جو تم پاتے ہو (یہ اس کا ٹھنڈا سانس ہے)۔''[1]

ایک اور حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ»

''جب گرمی زیادہ سخت ہو تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو، اس لیے کہ گرمی کی شدت جہنم کے جوش کی وجہ سے ہے۔''[2]

① صحیح البخاری، بدء الخلق، باب صفة النار وأنها مخلوقة، حدیث: 3260

② صحیح البخاری، بدء الخلق، باب صفة النار وأنها مخلوقة ، حدیث:3259وصحیح مسلم، المساجد ، باب استحباب الإبراد بالظهر فی شدة الحر......،حدیث:615

سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ

سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ (102) مَكِّيَّةٌ (16) — رُكُوْعُهَا 1 — اٰيَاتُهَا 8

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے
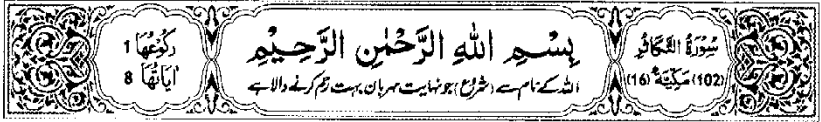
اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ① حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ② كَلَّا سَوْفَ

باہم بہتات کی حرص نے تمھیں غافل کر دیا① یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے② ہرگز نہیں! جلد ہی

تَعْلَمُوْنَ ③ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ④ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ

تم جان لو گے ③ پھر ہرگز نہیں! جلد ہی تم جان لو گے ④ ہرگز نہیں! اگر تم یقینی

عِلْمَ الْيَقِيْنِ ⑤

علم کے ساتھ جان لو⑤

[1] اَلْهٰى يُلْهِيْ کے معنی ہیں ''غافل کر دینا۔'' تَكَاثُرُ ''باہم زیادتی کی خواہش'' یعنی ایک دوسرے کے مقابلے میں بڑھنے اور زیادہ ہونے کی آرزو۔ یہ عام ہے، مال، اولاد، اعوان و انصار اور خاندان و قبیلہ وغیرہ، سب کو شامل ہے۔ ہر وہ چیز جس کی کثرت انسان کو محبوب ہو اور کثرت کے حصول کی کوشش و خواہش اسے اللہ تعالیٰ کے احکام اور آخرت سے غافل کر دے۔ یہاں اللہ تعالیٰ انسان کی اسی کمزوری کو بیان کر رہا ہے جس میں انسانوں کی اکثریت ہر دور میں مبتلا رہی ہے۔

[2] اس کا مطلب ہے کہ حصولِ کثرت کے لیے محنت کرتے کرتے تمھیں موت آ گئی اور تم قبروں میں جا پہنچے۔

[3] ﴿كَلَّا﴾ ''ہرگز نہیں'' یعنی تم جس تکاثر و تفاخر میں مبتلا ہو، یہ صحیح نہیں۔ کامیابی تکاثر کی مشغولیت میں نہیں بلکہ حق کے اختیار کرنے اور اعمال صالحہ سے آراستہ ہونے میں ہے۔

[4] اس کا انجام عنقریب تم جان لو گے۔ یہ بطور تاکید، دو مرتبہ فرمایا۔

[5] اس کا جواب محذوف ہے۔ مطلب ہے کہ اگر تم اس غفلت کا انجام اس طرح یقینی طور پر جان لو جس طرح دنیا کی کسی دیکھی بھالی چیز کا تمھیں یقین ہوتا ہے تو تم یقیناً اس تکاثر و تفاخر میں مبتلا نہ ہو۔

سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ

لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ ⑥ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِينِ ⑦ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ

تم ضرور دوزخ کو دیکھو گے ⑥ پھر تم اسے ضرور یقین کی آنکھ سے دیکھو گے ⑦ پھر اس دن تم سے نعمتوں کی

يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ⑧

بابت ضرور سوال کیا جائے گا ⑧

[6] یہ قسم محذوف کا جواب ہے، یعنی اللہ کی قسم! تم جہنم ضرور دیکھو گے، یعنی اس کی سزا بھگتو گے۔

[7] پہلا دیکھنا دور سے ہوگا، یہ دیکھنا قریب سے ہوگا، اسی لیے اسے ﴿عَيْنَ الْيَقِينِ﴾ (جس کا یقین مشاہدۂ عینی سے حاصل ہو) کہا گیا۔

کن نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا؟

[8] یہ سوال ان نعمتوں کے بارے میں ہوگا جو اللہ نے دنیا میں عطا کی ہوں گی، جیسے آنکھ، کان، دل، دماغ، امن وصحت، مال و دولت اور اولاد وغیرہ۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث کے مطابق ایک دفعہ رات یا دن کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے تو حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا، ان سے پوچھا:

«مَا أَخْرَجَكُمَا مِنْ بُيُوتِكُمَا هٰذِهِ السَّاعَةَ؟»

''کس چیز نے تم دونوں کو اس پہر میں تمھارے گھروں سے نکالا ہے؟''

انھوں نے جواب دیا: بھوک نے، اے اللہ کے رسول! اس پر آپ نے فرمایا:

«وَأَنَا، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَأَخْرَجَنِيَ الَّذِي أَخْرَجَكُمَا، قُومُوا»

''اور میں، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! مجھے بھی اسی چیز (بھوک) نے نکالا ہے جس نے تم دونوں کو نکالا ہے، چلو۔''

چنانچہ وہ آپ کے ساتھ چلے۔ آپ ایک انصاری آدمی کے پاس آئے، وہ اس وقت گھر میں موجود نہیں تھا۔ جب اس کی بیوی نے آپ کو دیکھا تو کہا: (مَرْحَبًا وَأَهْلًا) ''خوش آمدید۔''

آپ نے اس سے پوچھا کہ فلاں (انصاری) کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا: وہ ہمارے لیے میٹھا پانی لینے گیا ہے۔ اتنے میں وہ انصاری آدمی بھی آ گیا، رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کو دیکھ کر وہ خوشی سے کہنے لگا: «اَلْحَمْدُ للهِ ، مَا أَحَدٌ الْيَوْمَ أَكْرَمَ أَضْيَافًا مِنِّي» ''اللہ کا شکر ہے کہ آج کے دن کسی کے پاس ایسے عزت والے مہمان نہیں جیسے میرے پاس ہیں۔'' پھر وہ کھجور کا ایک خوشہ لے آیا جس میں اَدھ پکی سوکھی اور تازہ کھجوریں تھیں اور انھیں کھانے کو کہا، پھر اس نے چھری پکڑی، تو آپ نے دودھ والی بکری ذبح کرنے سے منع فرمایا، چنانچہ اس نے ایک بکری ذبح کی تو سب نے اس کا گوشت اور کھجوریں کھائیں اور پانی پیا۔ جب سب سیر ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَتُسْأَلُنَّ عَنْ هٰذَا النَّعِيمِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُيُوتِكُمُ الْجُوعُ ثُمَّ لَمْ تَرْجِعُوا حَتّٰى أَصَابَكُمْ هٰذَا النَّعِيمُ»

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم سے قیامت کے دن اس نعمت کے بارے میں ضرور سوال ہوگا، تم بھوک کی حالت میں اپنے گھروں سے نکلے اور پھر گھر واپس نہیں لوٹے یہاں تک کہ تم کو یہ نعمت ملی۔''[1]

نعمتوں کے بارے میں سوال کن سے ہوگا؟

بعض کہتے ہیں، یہ سوال صرف کافروں سے ہوگا۔ بعض کہتے ہیں، ہر ایک ہی سے ہوگا کیونکہ محض سوال مستلزمِ عذاب نہیں۔ جنھوں نے ان نعمتوں کا استعمال اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق کیا ہوگا، وہ سوال کے باوجود عذاب سے محفوظ رہیں گے اور جنھوں نے کفرانِ نعمت کا ارتکاب کیا ہوگا، وہ دھر لیے جائیں گے۔ کیونکہ سوال کا مطلب ہی اس امر کا تحقق ہوگا کہ اللہ کی نعمتوں سے

[1] صحيح مسلم، الأشربة، باب جواز استتباعه غيره إلى دار من يثق برضاه بذلك......، حديث: 2038

فیض یاب ہونے کے بعد، اللہ کا شکر بھی ادا کیا یا نہیں؟ اہل ایمان چونکہ زبان وعمل سے یہ شکر کرتے رہے ہوں گے، اس لیے وہ مؤاخذۂ الٰہی سے محفوظ اور اطاعت وفرماں برداری پر حسن صلہ کے مستحق قرار پائیں گے۔ اور کافر کفران نعمت کی بنا پر عذاب الٰہی کے سزاوار ٹھہریں گے۔

سُوْرَةُ الْعَصْرِ
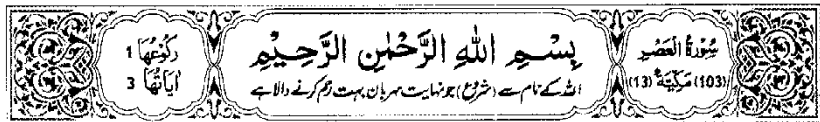
وَالْعَصْرِ ① اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ② اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

زمانے کی قسم ① بے شک انسان خسارے میں ہے ② سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور انھوں نے

الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ③

نیک عمل کیے اور ایک دوسرے کو حق کی تلقین کی اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی ③

[1] زمانے سے مراد شب و روز کی یہ گردش اور ان کا ادل بدل کر آنا ہے۔ رات آتی ہے تو اندھیرا چھا جاتا ہے اور دن طلوع ہوتا ہے تو ہر چیز روشن ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں کبھی رات لمبی، دن چھوٹا اور کبھی دن لمبا، رات چھوٹی ہو جاتی ہے۔ یہی مُرورِ ایامِ زمانہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور کاریگری پر دلالت کرتا ہے۔ اسی لیے رب نے اس کی قسم کھائی ہے، نیز یہ بات ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ تو اپنی مخلوق میں سے جس کی چاہے قسم کھا سکتا ہے لیکن انسانوں کے لیے اللہ کی قسم کے علاوہ کسی چیز کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔

[2] یہ جواب قسم ہے۔ انسان کا خسارہ اور اس کی ہلاکت واضح ہے کہ جب تک وہ زندہ رہتا ہے، اس کے شب و روز سخت محنت کرتے ہوئے گزرتے ہیں، پھر جب موت سے ہم کنار ہوتا ہے تو موت کے بعد بھی آرام و راحت نصیب نہیں ہوتی بلکہ وہ جہنم کا ایندھن بنتا ہے۔

[3] ہاں، اس خسارے سے وہ لوگ محفوظ ہیں جو ایمان اور عمل صالح کے جامع ہیں کیونکہ ان کی زندگی چاہے جیسی بھی گزری ہو، موت کے بعد وہ بہر حال ابدی نعمتوں اور جنت کی پُر آسائش زندگی سے بہرہ ور ہوں گے۔ ان اہل ایمان کی مزید صفات یہ ہیں: ﴿ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ﴾ ''ایک دوسرے کو وصیت کی حق کی'' یعنی اللہ کی شریعت کی پابندی اور محرمات و معاصی سے اجتناب کی ایک دوسرے کو تلقین کرنے والے ہیں۔ ﴿ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴾ ''ایک دوسرے کو وصیت کی صبر کی'' یعنی مصائب و آلام پر صبر، احکام و فرائضِ شریعت پر عمل کرنے میں صبر، معاصی سے

اجتناب پر صبر اور لذات وخواہشات کی قربانی پر صبر۔ صبر بھی اگرچہ تواصی بالحق میں شامل ہے تاہم اسے خصوصیت سے الگ ذکر کیا گیا جس سے اس کا شرف وفضل اور خصالِ حق میں اس کا ممتاز ہونا واضح ہے۔

سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ

سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ (104) مَكِّيَّةٌ (32) | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | رُكُوْعُهَا 1 اٰيَاتُهَا 9

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۙ ① الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۙ ②

ہر طعنہ زن، عیب جو کے لیے ہلاکت ہے ① جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا ②

يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۚ ③ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۖ ④

وہ سمجھتا ہے کہ بے شک اس کا مال اسے ہمیشہ زندہ رکھے گا ③ ہرگز نہیں! اسے ضرور حُطَمَہ میں پھینکا جائے گا ④

[1] ﴿هُمَزَةٍ﴾ اور ﴿لُمَزَةٍ﴾ بعض کے نزدیک ہم معنی ہیں۔ بعض اس میں کچھ فرق کرتے ہیں۔ ﴿هُمَزَةٍ﴾ وہ شخص ہے جو رُو در رُو برائی کرے اور ﴿لُّمَزَةِ﴾ وہ جو پیٹھ پیچھے غیبت کرے۔ بعض اس کے برعکس معنی کرتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں هَمز آنکھوں اور ہاتھوں کے اشارے سے برائی کرنا ہے اور لَمز زبان سے۔ بہر حال ان دونوں لفظوں میں غیبت، عیب جوئی، بدگوئی، طعن و تشنیع اور اس قسم کی دیگر اخلاقی کوتاہیوں کے حامل افراد کے لیے سخت وعید ہے۔ ﴿هُمَزَةٍ﴾ اور ﴿لُمَزَةٍ﴾ دونوں فُعَلَة کے وزن پر ہیں جو مبالغے کا صیغہ ہے، یعنی جو شخص مذکورہ برائیوں کو اپنی عادت بنالیتا ہے۔

[2] اس سے مراد یہی ہے کہ جمع کرنا اور گن گن کر رکھنا، یعنی سینت سینت کر رکھنا اور اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرنا۔ ورنہ مطلق مال جمع کر کے رکھنا مذموم نہیں ہے۔ یہ مذموم اسی وقت ہے جب زکاۃ و صدقات اور انفاق فی سبیل اللہ کا اہتمام نہ ہو۔

[3] وہ سمجھتا ہے کہ یہ مال، جسے وہ جمع کر کے رکھتا ہے، اس کی عمر میں اضافہ کر دے گا اور اسے مرنے نہیں دے گا۔

[4] ﴿كَلَّا﴾ ''ہرگز نہیں'' یعنی معاملہ ایسا نہیں ہے، جیسا اس کا زعم اور گمان ہے بلکہ ایسا بخیل شخص حُطَمَہ میں پھینک دیا جائے گا۔ حطمة بھی جہنم کا ایک نام ہے اور اس کے معنی ہیں ''توڑ پھوڑ دینے والی۔''

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ⑤ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ⑥ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى

اور آپ کو کیا معلوم کہ حُطَمَہ کیا ہے؟ ⑤ وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے ⑥ جو دلوں تک پہنچے

الْاَفْـِٕدَةِ ⑦ اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ⑧ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ⑨

گی ⑦ بے شک وہ (آگ) ان پر (ہر طرف سے) بند کر دی جائے گی ⑧ لمبے لمبے ستونوں میں ⑨

[5] یہ استفہام اس کی ہولنا کی کے بیان کے لیے ہے، یعنی وہ اتنی ہولناک آگ ہوگی کہ تمھاری عقلیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور تمھارا فہم و شعور اس کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتا۔

[7] اس کی حرارت دلوں تک پہنچ جائے گی۔ ویسے تو دنیا کی آگ کے اندر بھی یہ خاصیت ہے کہ وہ ہر چیز کو جلا ڈالتی ہے لیکن دنیا میں یہ آگ دل تک پہنچ نہیں پاتی کہ انسان کی موت اس سے قبل ہی واقع ہو جاتی ہے۔ جہنم میں ایسا نہیں ہوگا، وہ آگ دلوں تک بھی پہنچ جائے گی لیکن موت نہیں آئے گی بلکہ آرزو کے باوجود بھی موت نہیں آئے گی۔

[8] ﴿مُّؤْصَدَةٌ﴾ ''بند کر دی جائے گی'' یعنی جہنم کے دروازے اور راستے بند کر دیے جائیں گے تاکہ کوئی باہر نہ نکل سکے اور انھیں لوہے کی میخوں کے ساتھ باندھ دیا جائے گا جو لمبے لمبے ستونوں کی طرح ہوں گی۔

[8] بعض کے نزدیک ﴿عَمَدٍ﴾ سے مراد بیڑیاں یا طوق ہیں اور بعض کے نزدیک ستون ہیں جن میں انھیں عذاب دیا جائے گا۔[1]

① فتح القدیر، الھمزۃ 9:104

سُوْرَةُ الْفِيْلِ
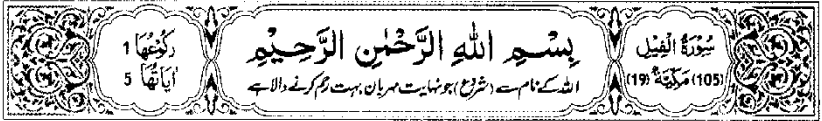
اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝①

(اے نبی!) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟①

[1] جو یمن سے خانہ کعبہ کی تخریب کے لیے آئے تھے۔ ﴿ اَلَمْ تَرَ ﴾ کے معنی ہیں، أَلَمْ تَعْلَمْ "کیا آپ کو معلوم نہیں؟" استفہام تقریر کے لیے ہے، یعنی آپ جانتے ہیں یا وہ سب لوگ جانتے ہیں جو آپ کے ہم عصر ہیں۔ یہ اس لیے فرمایا کہ عرب میں یہ واقعہ گزرے ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ مشہور ترین قول کے مطابق یہ واقعہ اس سال پیش آیا جس سال نبی ﷺ کی ولادت ہوئی تھی، اس لیے عربوں میں اس کی خبریں مشہور اور متواتر تھیں۔ یہ واقعہ مختصراً حسب ذیل ہے۔

اصحاب الفیل کا مختصر واقعہ:

حبشہ کے بادشاہ کی طرف سے یمن میں ابرہتہ الاشرم گورنر تھا، اس نے صنعاء میں ایک بہت بڑا گرجا (عبادت گھر) تعمیر کیا اور کوشش کی کہ لوگ خانہ کعبہ کی بجائے عبادت اور حج وعمرے کے لیے ادھر آیا کریں۔ یہ بات اہل مکہ اور دیگر قبائل عرب کے لیے سخت ناگوار تھی، چنانچہ ان میں سے ایک شخص نے ابرہہ کے بنائے ہوئے عبادت خانے کو غلاظت سے پلید کر دیا جس کی اطلاع اس کو دی گئی کہ کسی نے اس طرح اس گرجے کو ناپاک کر دیا ہے جس پر اس نے خانہ کعبہ کو ڈھانے کا عزم کر لیا اور ایک لشکر جرار لے کر مکے پر حملہ آور ہوا، کچھ ہاتھی بھی اس کے ساتھ تھے۔ مکے کے قریب پہنچ کر ابرہہ کے لشکر نے نبی ﷺ کے دادا کے، جو مکے کے سردار تھے، اونٹوں پر قبضہ کر لیا جس پر عبدالمطلب نے آ کر ابرہہ سے کہا کہ تو میرے اونٹ واپس کر دے جو تیرے لشکریوں نے پکڑے ہیں۔ باقی رہا خانہ کعبہ کا مسئلہ، جس کو ڈھانے کے لیے تو آیا ہے، تو وہ تیرا

سُوْرَةُ الْفِيْلِ

اَلَمْ یَجْعَلْ كَیْدَهُمْ فِیْ تَضْلِیْلٍ ۝۲ وَّ اَرْسَلَ عَلَیْهِمْ طَیْرًا اَبَابِیْلَ ۝۳

کیا اس نے ان کی چال کو بے کار نہیں کر دیا؟② اور اس نے ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیجے③

تَرْمِیْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ ۝۴ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝۵

جو ان پر کھنگر کی کنکریاں پھینک رہے تھے④ پھر اللہ نے انھیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا⑤

معاملہ اللہ کے ساتھ ہے، وہ اللہ کا گھر ہے، وہی اس کا محافظ ہے، تو جانے اور بیت اللہ کا مالک اللہ جانے۔ جب یہ لشکر وادیٔ مُحَسِّر کے پاس پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے پرندوں کے غول بھیج دیے جن کی چونچوں اور پنجوں میں چنے یا مسور کے برابر کنکریاں تھیں جس فوجی کے بھی یہ کنکری لگتی وہ پگھل جاتا اور اس کا گوشت جھڑ جاتا اور بالآخر مر جاتا۔ خود ابرہہ کا بھی، جو بھاگ نکلا تھا، صنعاء پہنچتے پہنچتے یہی انجام ہوا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کی حفاظت فرمائی۔[1]

[2] وہ جو خانہ کعبہ کو ڈھانے کا ارادہ لے کر آیا تھا، اس میں اس کو ناکام کر دیا۔ استفہام تقریری ہے۔

[3] ﴿اَبَابِیْلَ﴾ پرندے کا نام نہیں ہے بلکہ اس کے معنی ہیں، غول در غول، جُھنڈ کے جُھنڈ۔

[4] ﴿سِجِّیْلٍ﴾ مٹی کو آگ میں پکا کر اس سے بنائے ہوئے کنکر۔ ان چھوٹے چھوٹے پتھروں یا کنکروں نے توپ کے گولوں اور بندوق کی گولیوں سے زیادہ مہلک کام کیا۔ کہتے ہیں، ہر پرندے کے ساتھ تین کنکریاں ہوتی تھیں، دو اس کے پنجوں میں اور ایک اس کی چونچ میں۔

[5] ان کے اجزائے جسم اس طرح بکھر گئے جیسے کھائی ہوئی بھوسی ہوتی ہے۔

① أیسر التفاسیر، الفیل 5,1:105

سُوْرَةُ قُرَيْشٍ

سُوْرَةُ قُرَيْشٍ (106) مَكِّيَّةٌ (29)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے

رکوعہا 1 آیاتہا 4
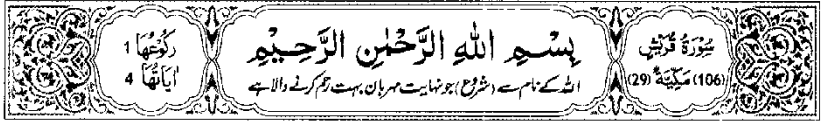
لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ① اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ②

قریش کے مانوس ہونے کی وجہ سے ① (یعنی) ان کے سردی اور گرمی کے سفر سے مانوس ہونے کی وجہ سے ②

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ③

لہٰذا انھیں چاہیے کہ وہ اس گھر (کعبہ) کے مالک کی عبادت کریں ③

اسے سورۂ اِیلَاف بھی کہتے ہیں، اس کا تعلق بھی گزشتہ سورت سے ہے۔

[2] اِیلَاف کے معنی ہیں، مانوس اور عادی ہونا، یعنی اس کام سے کلفت اور نفرت کا دور ہو جانا۔ آلَفَ الشَّيْءُ (کسی چیز کو مانوس کرنا) اور أَلِفَ الشَّيْءَ (کسی چیز سے مانوس ہونا) دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔[1] قریش کی گزران کا ذریعہ تجارت تھی۔ سال میں دو مرتبہ ان کا تجارتی قافلہ باہر جاتا اور وہاں سے اشیائے تجارت لاتا۔ سردیوں میں یمن، جو گرم علاقہ تھا، اور گرمیوں میں شام کی طرف، جو ٹھنڈا تھا۔ خانہ کعبہ کے خدمت گزار ہونے کی وجہ سے تمام اہل عرب ان کی عزت کرتے تھے، اس لیے ان کے قافلے بلا روک ٹوک سفر کرتے۔ اللہ تعالیٰ اس سورت میں قریش کو بتلا رہا ہے کہ تم جو گرمی، سردی میں دو سفر کرتے ہو تو ہمارے اس احسان کی وجہ سے کہ ہم نے تمھیں مکے میں امن عطا کیا ہے اور اہل عرب میں معزز بنایا ہوا ہے۔ اگر یہ چیز نہ ہوتی تو تمھارا سفر ممکن نہ ہوتا۔ اور اصحاب الفیل کو بھی ہم نے اسی لیے تباہ کیا ہے کہ تمھاری عزت بھی برقرار رہے اور تمھارے سفروں کا سلسلہ بھی، جس کے تم خوگر (عادی) ہو، قائم رہے۔ اگر ابرہہ اپنے مذموم مقصد میں کامیاب ہو جاتا تو تمھاری عزت و سیادت بھی ختم ہو جاتی اور سلسلۂ سفر بھی منقطع ہو جاتا، اس لیے تمھیں چاہیے کہ صرف اسی بیت اللہ کے رب کی عبادت کرو۔

---

① تفسیر القاسمی ، قریش 106:1-2

ع 1/4 31

الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ۵ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝۴ ع

جس نے انھیں بھوک میں کھانا کھلایا اور انھیں خوف سے امن دیا④

[4] مذکورہ تجارت اور سفر کے ذریعے سے ان کے رزق کا بندوبست کیا اور حرم مکہ کی وجہ سے انھیں امن دیا۔ چونکہ عرب میں قتل و غارت گری عام تھی لیکن قریشِ مکہ کو حرمِ مکہ کی وجہ سے جو احترام حاصل تھا، اس کی وجہ سے وہ خوف وخطر سے محفوظ تھے۔

سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ
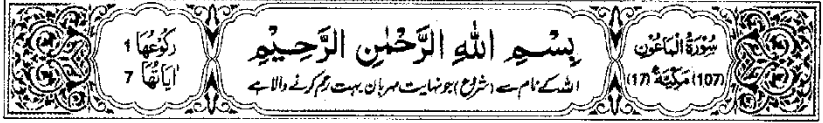
اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ① فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ②

(اے نبی!) کیا آپ نے اس شخص کو دیکھا جو جزا وسزا کو جھٹلاتا ہے؟① تو یہ وہ شخص ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے②

وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ③ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ④

اور مسکین کو کھانا کھلانے کا شوق نہیں دلاتا③ چنانچہ تباہی ہے (ان) نمازیوں کے لیے④

اس سورت کو سُوْرَةُ الدِّيْنِ، سُوْرَةُ أَرَأَيْتَ، اور سُوْرَةُ الْيَتِيْمِ بھی کہتے ہیں۔①

[1] رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہے اور استفہام سے مقصد اظہارِ تعجب ہے۔ رؤیت، معرفت کے مفہوم میں ہے اور دِین سے مراد آخرت کا حساب اور جزا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ کلام میں حذف ہے۔ اصل عبارت یہ ہے "کیا آپ نے اس شخص کو پہچانا جو روز جزا کو جھٹلاتا ہے؟ آیا وہ اپنی اس بات میں صحیح ہے یا غلط؟"

[2] اس لیے کہ ایک تو بخیل ہے۔ دوسرا، قیامت کا منکر ہے۔ بھلا ایسا شخص یتیم کے ساتھ کیونکر حسن سلوک کر سکتا ہے؟ یتیم کے ساتھ تو وہی شخص اچھا برتاؤ کرے گا جس کے دل میں مال کی بجائے انسانی قدروں اور اخلاقی ضابطوں کی اہمیت ومحبت ہو گی۔ دوسرے اسے اس امر کا یقین ہو کہ اس کے بدلے میں مجھے قیامت والے دن اچھی جزا ملے گی۔

[3] یہ کام بھی وہی کرے گا جس میں مذکورہ خوبیاں ہوں گی، ورنہ یہ یتیم کی طرح مسکین کو بھی دھکے ہی دے گا۔

مسکین کو کھانا کھلانے کی فضیلت:

مسکین اور غریب کو کھانا کھلانے کی بڑی فضیلت ہے، اس لیے اس کی بڑی تاکید وترغیب

① فتح القدير، الماعون:107

الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ⑤ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ⑥

جو اپنی نماز سے غفلت کرتے ہیں ⑤ وہ جو دکھاوا کرتے ہیں ⑥

ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلسَّاعِي عَلَى الْأَرْمِلَةِ وَالْمِسْكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللهِ، أَوْ كَالَّذِي يَصُومُ النَّهَارَ وَيَقُومُ اللَّيْلَ»

''بیواؤں اور مسکینوں کے لیے کوشش کرنے والا اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے یا اس شخص کی طرح ہے جو دن کو روزے رکھتا اور رات کو قیام کرتا ہے۔''①

نماز سے غفلت کرنے کے مختلف مفہوم:

[5] اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو نماز یا تو پڑھتے ہی نہیں یا پہلے پڑھتے رہے ہیں، پھر سست ہو گئے یا نماز کو اس کے اپنے مسنون وقت میں نہیں پڑھتے، جب جی چاہتا ہے پڑھ لیتے ہیں یا تاخیر سے پڑھنے کا معمول بنا لیتے ہیں یا خشوع وخضوع کے ساتھ نہیں پڑھتے۔ یہ سارے ہی مفہوم اس میں آجاتے ہیں، اس لیے نماز کی مذکورہ ساری ہی کوتاہیوں سے بچنا چاہیے۔ یہاں اس مقام پر ذکر کرنے سے یہ بھی واضح ہے کہ نماز میں ان کوتاہیوں کے مرتکب وہی لوگ ہوتے ہیں جو آخرت کی جزا اور حساب کتاب پر یقین نہیں رکھتے، اسی لیے منافقین کی ایک صفت یہ بھی بیان کی گئی ہے:

﴿ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾

''نماز سستی سے پڑھتے، دکھلاوا کرتے اور اللہ کا ذکر تھوڑا کرتے ہیں۔''②

[6] ایسے لوگوں کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے ساتھ ہوئے تو نماز پڑھ لی، بصورت دیگر نماز پڑھنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے، یعنی صرف نمود ونمائش اور ریاکاری کے لیے نماز پڑھتے ہیں۔

① صحیح البخاری، الأدب، باب الساعی علی الأرملة، حدیث: 6006 و صحیح مسلم، الزهد، باب فضل الإحسان إلی الأرملة والمسكين واليتيم، حديث: 2982

② النسآء4:142

ع 1/7/32

وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ⑦

اور (لوگوں کو) استعمال کی معمولی چیزیں بھی دینے سے انکار کرتے ہیں ⑦

[7] مَعْن، شَيْءٌ قَلِيْل (تھوڑی سی چیز) کو کہتے ہیں۔ بعض اس سے مراد زکاۃ لیتے ہیں کیونکہ وہ بھی اصل مال کے مقابلے میں بالکل تھوڑی سی ہی ہوتی ہے (ڈھائی فی صد)۔ اور بعض اس سے گھروں میں برتنے والی چیزیں مراد لیتے ہیں جو پڑوسی ایک دوسرے سے عاریتاً مانگ لیتے ہیں۔

عاریتاً چیز دینے میں ناگواری گناہ ہے:

مطلب یہ ہوا کہ گھریلو استعمال کی چیزیں عاریتاً دے دینا اور اس میں کبیدگی محسوس نہ کرنا اچھی صفت ہے اور اس کے برعکس بخل اور کنجوسی برتنا، یہ منکرین قیامت ہی کا شیوہ ہے۔

سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ
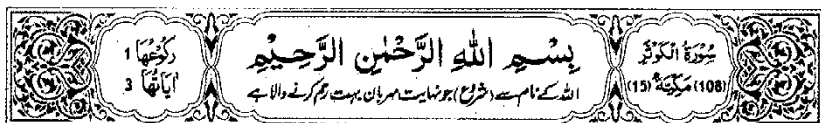
اِنَّاۤ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۟ؕ۱ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۟ؕ۲

(اے نبی!) یقیناً ہم نے آپ کو کوثر عطا کی ① تو آپ اپنے رب ہی کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی کریں ②

اس کا دوسرا نام سورۃ النّحر بھی ہے۔

﴿الْكَوْثَرَ﴾ کا مفہوم:

[1] کَوْثَر کثرت سے ہے۔ اس کے متعدد معنی بیان کیے گئے ہیں۔ ابن کثیر رحمہ اللہ نے "خیر کثیر" کے مفہوم کو ترجیح دی ہے کیونکہ اس میں ایسا عموم ہے کہ جس میں دوسرے معانی بھی آ جاتے ہیں، مثلاً صحیح احادیث میں بتلایا گیا ہے کہ اس سے ایک نہر مراد ہے جو جنت میں آپ کو عطا کی جائے گی۔ اسی طرح بعض احادیث میں اس کا مصداق حوض بتلایا گیا ہے جس سے اہل ایمان جنت میں جانے سے قبل نبی ﷺ کے دست مبارک سے پانی پییں گے۔ اس حوض میں بھی پانی اسی جنت والی نہر سے آ رہا ہوگا۔ اسی طرح دنیا کی فتوحات اور نبی ﷺ کا رفع و دوام ذکر اور آخرت کا اجر و ثواب، سب ہی چیزیں "خیر کثیر" میں آ جاتی ہیں۔ ①

[2] نماز بھی صرف ایک اللہ کے لیے اور قربانی بھی صرف ایک اللہ کے نام پر۔ مشرکین کی طرح ان میں دوسروں کو شریک نہ کریں۔ نَحْر کے اصل معنی ہیں، اونٹ کے حلقوم میں نیزہ یا چھری مار کر اسے ذبح کرنا۔ دوسرے جانوروں کو زمین پر لٹا کر ان کے گلوں پر چھری پھیری جاتی ہے، اسے ذبح کرنا کہتے ہیں لیکن یہاں نحر سے مراد مطلق قربانی ہے، علاوہ ازیں اس میں بطور صدقہ اور خیرات جانور قربان کرنا، حج کے موقعے پر منٰی میں اور عید الاضحٰی کے موقعے پر قربانی کرنا، سب شامل ہیں۔

① تفسیر ابن کثیر، الکوثر 108:1

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ③

بے شک آپ کا دشمن ہی جڑ کٹا ہے③

[3] اَبْتَرُ ایسے شخص کو کہتے ہیں جو مقطوع النسل یا مقطوع الذِکر ہو، یعنی اس کی ذات ہی پر اس کی نسل کا خاتمہ ہو جائے یا کوئی اس کا نام لیوا نہ رہے۔ جب نبی ﷺ کی اولاد نرینہ زندہ نہ رہی تو بعض کفار نے آپ کو ''اَبتر'' کہا جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی کہ اَبتر آپ نہیں، آپ کے دشمن ہی ہوں گے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی نسل کو بھی باقی رکھا، گو اس کا سلسلہ لڑکی ہی کی طرف سے ہے۔ اسی طرح آپ کی امت بھی آپ کی اولاد معنوی ہی ہے جس کی کثرت پر آپ قیامت والے دن فخر کریں گے، علاوہ ازیں آپ کا ذکر پوری دنیا میں نہایت عزت و احترام سے کیا جاتا ہے جبکہ آپ سے بغض و عناد رکھنے والے صرف صفحات تاریخ ہی پر موجود رہ گئے ہیں لیکن کسی دل میں ان کا احترام نہیں اور کسی زبان پر ان کا ذکر خیر نہیں۔

سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْنَ
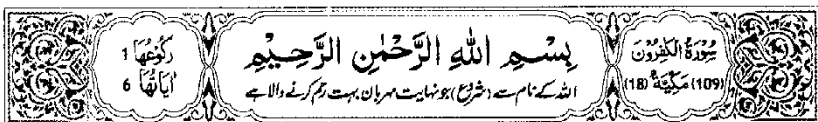
قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ① لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ②

(اے نبی!) آپ کہہ دیجیے: اے کافرو!① میں ان (بتوں) کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو②

وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ③ وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ④

اور نہ تم اسکی عبادت کرتے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں③ اور نہ میں عبادت کرنیوالا ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو④

وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ⑤

اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں⑤

صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ طواف کی دو رکعتوں اور فجر اور مغرب کی سنتوں میں ﴿ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ﴾ اور سورۃ الإخلاص پڑھتے تھے۔①

اسی طرح نبی ﷺ نے بعض صحابہ کو فرمایا کہ رات کو سوتے وقت، یہ سورت پڑھ کر سویا کرو، «فَإِنَّهَا بَرَاءَةٌ مِّنَ الشِّرْكِ» ”پس بے شک یہ شرک سے براءت ہے۔“②

ایک روایت میں خود نبی ﷺ کا عمل بھی یہ بتلایا گیا ہے۔③

[1] ﴿ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ میں الف لام جنس کے لیے ہے۔ لیکن یہاں بطور خاص صرف ان کافروں سے خطاب ہے جن کی بابت اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ان کا خاتمہ کفر و شرک پر ہوگا کیونکہ اس سورت کے نزول کے بعد کئی مشرک مسلمان ہوئے اور انھوں نے اللہ کی عبادت کی۔④

[5] بعض نے پہلی آیت کو حال کے اور دوسری کو استقبال کے مفہوم میں لیا ہے لیکن

---

① صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، حديث : 1218 و صلاة المسافرين، باب استحباب ركعتي سنة الفجر......، حديث : 726 و مسند أحمد : 99/2

② مسند أحمد: 456/5 و جامع الترمذي، الدعوات، باب منه في قراءة سور: الكافرون......، حديث: 3403 و سنن أبي داود، الأدب ، باب مايقول عند النوم، حديث: 5055 و مجمع الزوائد : 166/10

③ تفسير ابن كثير، الكافرون 109 والمعجم الكبير للطبراني : 81/4

④ فتح القدير، الكافرون 1:109

ع 1/6/34

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝ ⑥

تمھارے لیے تمھارا دین اور میرے لیے میرا دین⑥

امام شوکانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ان تکلّفات کی ضرورت نہیں ہے۔ تاکید کے لیے تکرار عربی زبان کا عام اسلوب ہے جسے قرآن کریم میں کئی جگہ اختیار کیا گیا ہے، جیسے سورۃ الرحمٰن اور سورۃ المرسلات میں ہے، اسی طرح یہاں بھی تاکید کے لیے یہ جملہ دہرایا گیا ہے۔ [1] مقصد یہ ہے کہ یہ کبھی ممکن نہیں کہ میں توحید کا راستہ چھوڑ کر شرک کا راستہ اختیار کرلوں جیسا کہ تم چاہتے ہو اور اگر اللہ تعالیٰ نے تمھاری قسمت میں ہدایت نہیں لکھی ہے تو تم بھی اس توحید اور عبادتِ الٰہی سے محروم ہی رہو گے۔ یہ بات اس وقت فرمائی گئی جب کفار نے یہ تجویز پیش کی کہ ایک سال ہم آپ کے معبود کی اور ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کریں۔

[6] اگر تم اپنے دین پر راضی ہو اور اسے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہو تو میں اپنے دین پر راضی ہوں، میں اسے کیوں چھوڑوں؟ ﴿ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ﴾ ''ہمارے لیے ہمارے عمل اور تمھارے لیے تمھارے عمل'' [2]

① فتح القدیر، الکافرون 109:5,3

② القصص 28:55

سُوْرَةُ النَّصْرِ
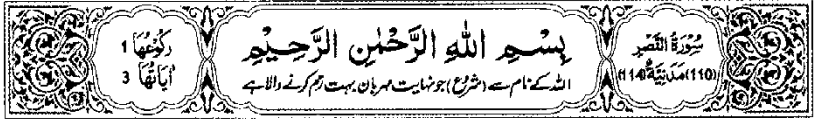
نزول کے اعتبار سے یہ آخری سورت ہے۔[1] جس وقت یہ سورت نازل ہوئی تو بعض صحابہ سمجھ گئے کہ اب نبی ﷺ کا آخری وقت آ گیا ہے، اسی لیے آپ کو تسبیح وتحمید اور استغفار کا حکم دیا گیا ہے، جیسے حضرت ابن عباس اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ صحیح بخاری میں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھے جنگ بدر میں حصہ لینے والے جلیل القدر بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ اہم معاملات میں مشاورت وغیرہ میں شریک رکھتے تھے جس پر بعض لوگوں نے ناگواری کا اظہار کیا اور کہا کہ اسے آپ ہمارے ساتھ کیوں شریک کرتے ہیں؟ اگر یہ کمسن ہونے کے باوجود شریک ہوسکتا ہے تو اس جیسے ہمارے بھی بیٹے ہیں وہ شریک کیوں نہیں ہو سکتے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم اس کی حیثیت جانتے ہو پھر بھی اعتراض کرتے ہو؟ چنانچہ انھوں نے ایک دن مجھے بلایا اور شیوخ بدر کے ساتھ بٹھا دیا۔ اور میرے خیال میں اس روز عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے اسی لیے بلایا تا کہ وہ ان پر میری حیثیت واضح کریں، پھر عمر رضی اللہ عنہ نے بزرگ صحابہ سے پوچھا: اللہ تعالیٰ کے قول ﴿ إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ﴾ کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟ تو بعض نے کہا: جب ہمیں فتح ونصرت سے نوازا جائے تو ہمیں کہا جا رہا ہے کہ اس وقت ہم اللہ کی حمد کریں اور اس سے بخشش مانگیں اور بعض خاموش رہے اور اس کی بابت کچھ نہیں کہا، پھر عمر رضی اللہ عنہ مجھ سے مخاطب ہوئے اور پوچھا: اے ابن عباس! کیا تیری بھی یہی رائے ہے؟ تو میں نے کہا: نہیں۔ انھوں نے فرمایا: تو تیری رائے کیا ہے؟ میں نے کہا: اس میں رسول اللہ ﷺ کو ان کی حیات مستعار کے دن پورے ہونے کی اطلاع دی گئی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میری بھی رائے اس سورت کے بارے میں یہی ہے جو تو کہتا ہے۔[2]

---

[1] صحیح مسلم، التفسیر، باب فی تفسیر آیات متفرقة، حدیث :3024

[2] صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ ...... ﴾، حدیث :4970

سُوْرَةُ النَّصْرِ

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۙ﴿1﴾ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ

(اے نبی!) جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے گی ① اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ وہ اللہ کے دین میں گروہ در گروہ داخل

اَفْوَاجًا ۙ﴿2﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ﴿3﴾ ع 1/3 35

ہو رہے ہیں ② تو آپ اپنے رب کی حمد کیساتھ تسبیح کیجیے اور اس سے بخشش مانگیے، بلاشبہ وہ بڑا توبہ قبول کرنیوالا ہے ③

[2] اللہ کی مدد کا مطلب اسلام اور مسلمانوں کا کفر اور کافروں پر غلبہ ہے۔ اور فتح سے مراد فتح مکہ ہے جو نبی ﷺ کا مولد و مسکن تھا لیکن کافروں نے آپ کو اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو وہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا، چنانچہ جب 8 ہجری میں یہ مکہ فتح ہو گیا تو لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے جبکہ اس سے قبل ایک ایک دو دو فرد مسلمان ہوتے تھے۔ فتح مکہ سے لوگوں پر یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ آپ اللہ کے سچے پیغمبر ہیں اور دین اسلام دین حق ہے جس کے بغیر اب نجاتِ اخروی ممکن نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب ایسا ہو تو۔

[3] یہ سمجھ لیں کہ تبلیغ رسالت اور احقاق حق کا فرض، جو آپ کے ذمے تھا، پورا ہو گیا اور اب آپ کا دنیا سے کوچ کرنے کا مرحلہ قریب آ گیا ہے، اس لیے حمد و تسبیح الٰہی اور استغفار کا خوب اہتمام کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ زندگی کے آخری ایام میں ان چیزوں کا اہتمام کثرت سے کرنا چاہیے۔

سُوْرَةُ اللَّهَب

اسے سُوْرَةُ الْمَسَدْ بھی کہتے ہیں۔اس کی شان نزول میں آتا ہے کہ جب نبی ﷺ کو حکم ہوا کہ اپنے رشتے داروں کو انذار و تبلیغ کریں تو آپ نے صفا پہاڑی پر چڑھ کر (یَاصبَاحَاهُ) کی آواز لگائی۔اس طرح کی آواز خطرے کی علامت سمجھی جاتی تھی، چنانچہ اس آواز پر لوگ اکٹھے ہوگئے۔آپ نے فرمایا:

«أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ خَيْلاً تَخْرُجُ مِنْ سَفْحِ هٰذَا الْجَبَلِ أَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ؟»

”ذرا بتلاؤ، اگر میں تمھیں خبر دوں کہ اس پہاڑ کی پشت پر ایک گھڑ سوار لشکر ہے جو تم پر حملہ آور ہوا چاہتا ہے، تو کیا تم میری تصدیق کرو گے؟“

انھوں نے کہا: «مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ كَذِبًا» ”(کیوں نہیں!) ہم نے کبھی آپ کو جھوٹا نہیں پایا۔“ آپ نے فرمایا:

«فَإِنِّي نَذِيرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ»

”پھر میں تمھیں ایک سخت عذاب سے ڈرانے آیا ہوں جو تمھارے سامنے آرہا ہے (اگر تم کفر و شرک میں مبتلا رہے)۔“

یہ سن کر ابولہب نے کہا: «تَبًّا لَّكَ مَا جَمَعْتَنَا إِلَّا لِهٰذَا» ”تیرے لیے ہلاکت ہو، کیا تو نے ہمیں اسی لیے جمع کیا تھا؟“ پھر آپ وہاں سے چلے آئے اور آپ پر یہ سورت نازل ہوئی۔[1]

ابولہب کا اصل نام عبدالعُزّٰی تھا، اپنے حسن و جمال اور چہرے کی سرخی کی وجہ سے اسے ابو لہب (شعلۂ فروزاں) کہا جاتا تھا، علاوہ ازیں اپنے انجام کے اعتبار سے بھی اسے جہنم کی آگ کا

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب سورة ﴿تَبَّتْ يَدَآ أَبِي لَهَبٍ﴾، حديث :4971

سُوْرَةُ اللَّهَبِ

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ① مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ

ٹوٹ جائیں دونوں ہاتھ ابولہب کے اور وہ ہلاک ہوگیا ① نہ اس کے مال نے اسے کوئی فائدہ دیا

وَمَا كَسَبَ ② سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ③ وَّامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ④

اور نہ اس کی کمائی نے ② وہ ضرور بھڑکتی آگ میں داخل ہوگا ③ اور اس کی بیوی بھی جو لکڑیاں ڈھونے والی ہے ④

ایندھن بنتا تھا۔ یہ نبی ﷺ کا حقیقی چچا تھا لیکن آپ کا شدید دشمن تھا اور اس کی بیوی ام جمیل بنت حرب بھی آپ سے دشمنی میں اپنے خاوند سے کم نہ تھی۔

[1] ﴿يَدَآ﴾ يَدُ (ہاتھ) کا تثنیہ ہے، مراد اس سے اس کا نفس ہے، جز بول کر کل مراد لیا گیا ہے، یعنی ہلاک و برباد ہو جائے۔ یہ بددعا ان الفاظ کے جواب میں ہے جو اس نے نبی ﷺ کے متعلق غصے اور عداوت میں بولے تھے۔ ﴿وَّتَبَّ﴾ (اور وہ ہلاک ہوگیا) یہ خبر ہے، یعنی بددعا کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اس کی ہلاکت اور بربادی کی خبر بھی دے دی۔

ابولہب کا عبرت ناک انجام:

جنگ بدر کے چند روز بعد یہ عدسہ بیماری میں مبتلا ہوا، جس میں طاعون کی طرح گلٹی سی نکلتی ہے، اسی میں اس کی موت واقع ہوگئی۔ تین دن تک اس کی لاش یوں ہی پڑی رہی حتیٰ کہ سخت بدبودار ہوگئی۔ بالآخر اس کے لڑکوں نے بیماری کے پھیلنے اور عار کے خوف سے اس کے جسم پر دور ہی سے پتھر اور مٹی ڈال کر اسے دفنا دیا۔[1]

[2] کمائی میں اس کی رئیسانہ حیثیت اور جاہ و منصب اور اس کی اولاد بھی شامل ہے، یعنی جب اللہ کی گرفت آئی تو کوئی چیز اس کے کام نہ آئی۔

[4] جہنم میں یہ اپنے خاوند کی آگ پر لکڑیاں لا لا کر ڈالے گی تا کہ آگ مزید بھڑکے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا، یعنی جس طرح یہ دنیا میں اپنے خاوند کی، اس کے کفر و عناد میں مددگار تھی،

---

① أیسر التفاسیر، اللهب 111:1

ع 1 5 36

فِىْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ﴿5﴾ ع

اس کی گردن میں چھال کی بٹی ہوئی رسی ہوگی ﴿5﴾

آخرت میں بھی عذاب میں اس کی مددگار ہوگی۔ [1]

بعض کہتے ہیں کہ وہ کانٹے دار جھاڑیاں ڈھو ڈھو کر لاتی اور نبی ﷺ کے راستے میں لا کر بچھا دیتی تھی اور بعض کہتے ہیں کہ یہ اس کی چغل خوری کی عادت کی طرف اشارہ ہے، چغل خوری کے لیے یہ عربی محاورہ ہے۔ یہ کفار قریش کے پاس جا کر نبی ﷺ کی غیبت کرتی اور انھیں آپ کی عداوت پر اکساتی تھی۔ [2]

[5] ﴿جِيْدِ﴾ ''گردن۔'' ﴿مَّسَدٍ﴾ ''مضبوط بٹی ہوئی رسی۔'' وہ مونج کی یا پوست کھجور (چھال) کی ہو یا آہنی تاروں کی۔ جیسا کہ مختلف لوگوں نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ وہ دنیا میں ڈالے رکھتی تھی جسے بیان کیا گیا ہے لیکن زیادہ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ جہنم میں اس کے گلے میں جو طوق ہوگا وہ آہنی تاروں سے بٹا ہوا ہوگا۔ ﴿مَّسَدٍ﴾ سے تشبیہ اس کی شدت اور مضبوطی کو واضح کرنے کے لیے دی گئی ہے۔

[1] تفسیر ابن کثیر، اللھب 111:4-5

[2] فتح الباری: 738/8
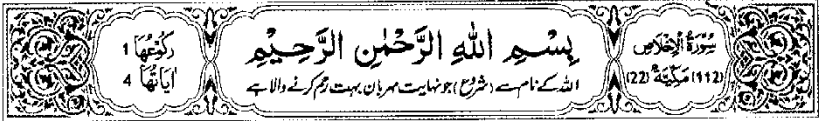
قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ① اَللّٰهُ الصَّمَدُ ② لَمْ يَلِدْ ۙ

(اے نبی!) آپ کہہ دیجیے: وہ اللہ ایک ہے① اللہ بے نیاز ہے② اس نے (کسی کو) نہیں جنا

وَلَمْ يُوْلَدْ ③

اور نہ وہ (خود) جنا گیا③

سورۃ الإخلاص کی فضیلت:

یہ مختصر سی سورت بڑی فضیلت کی حامل ہے، اسے نبی ﷺ نے «ثُلُثُ الْقُرْآنِ» ''ایک تہائی (1/3) قرآن'' قرار دیا ہے اور اسے رات کو پڑھنے کی ترغیب دی ہے۔① بعض صحابہ ہر رکعت میں دیگر سورتوں کے ساتھ اسے بھی ضرور پڑھتے تھے جس پر نبی ﷺ نے انھیں فرمایا کہ تمھاری اس کے ساتھ محبت تمھیں جنت میں داخل کر دے گی۔② اس کا سبب نزول یہ بیان کیا گیا ہے کہ مشرکین نے رسول اللہ ﷺ سے کہا:

«اُنْسُبْ لَنَا رَبَّكَ» ''ہمارے لیے اپنے رب کا نسب بیان کرو۔''③

[2] سب اس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں۔

[3] نہ اس سے کوئی چیز نکلی ہے نہ وہ کسی چیز سے نکلا ہے۔

---

① صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب فضل ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾، حدیث :5013-5015 و التوحید، باب ماجاء فی دعاء النبی ﷺ أمته......، حدیث :7374

② صحیح البخاری، الأذان، باب الجمع بین السورتین فی رکعة......، حدیث: 774 و التوحید، باب ماجاء فی دعاء النبی ﷺ أمته......، حدیث :7375و صحیح مسلم، صلاة المسافرین، باب فضل قراء ة قل هو الله احد، حدیث : 813

③ جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة الإخلاص، حدیث:3364و مسند أحمد:134/5

ع 1 4 37

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ④ ع

اور کوئی اس کا ہمسر نہیں ④

[4] اس کی ذات میں، نہ اس کی صفات میں اور نہ اس کے افعال میں ۔ ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ﴾ ''اس جیسی کوئی چیز نہیں۔''[1] حدیث قدسی میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان مجھے گالی دیتا ہے، یعنی میرے لیے اولاد ثابت کرتا ہے، حالانکہ «أَنَا الْأَحَدُ الصَّمَدُ لَمْ أَلِدْ وَلَمْ أُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لِّي كُفُوًا أَحَدٌ» ''میں ایک ہوں، بے نیاز ہوں، میں نے کسی کو جنا ہے، نہ میں کسی سے پیدا ہوا ہوں اور نہ کوئی میرا ہمسر ہے۔''[2] اس سورت میں ان کا بھی رد ہو گیا جو متعدد معبودوں کے قائل ہیں اور ان کا بھی جو اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد ثابت کرتے ہیں۔ ان کا بھی جو اس کا دوسروں کو شریک گردانتے ہیں اور ان کا بھی جو سرے سے وجود باری تعالیٰ ہی کے قائل نہیں۔

① الشوریٰ 11:42

② صحیح البخاری، التفسیر ، باب سورة ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ حدیث :4974

سُوْرَةُ الْفَلَقِ
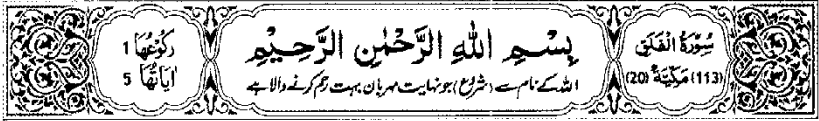
مُعَوِّذَتَیْن کے فضائل:

اس کے بعد سورۃ الناس ہے، ان دونوں کی مشترکہ فضیلت متعدد احادیث میں بیان کی گئی ہے، مثلاً ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا:

«اَلَمْ تَرَ آيَاتٍ أُنْزِلَتِ اللَّيْلَةَ لَمْ يُرَ مِثْلُهُنَّ قَطُّ؟»

''کیا تجھے نہیں معلوم کہ کچھ آیات اس رات میں ایسی نازل کی گئی ہیں جن کی مثل پہلے کبھی نہیں دیکھی گئیں؟''[1]

ابن عابس جہنی رضی اللہ عنہ سے نبی ﷺ نے فرمایا:

«يَاابْنَ عَابِسٍ! أَلَا أَدُلُّكَ (أَوْ قَالَ) أَلَا أُخْبِرُكَ بِأَفْضَلِ مَا يَتَعَوَّذُ بِهِ الْمُتَعَوِّذُونَ؟»

''اے ابن عابس! کیا میں تجھے سب سے بہترین تعویذ نہ بتاؤں جس کے ذریعے سے پناہ طلب کرنے والے پناہ مانگتے ہیں؟''

انھوں نے عرض کیا: ہاں، ضرور بتلائیے اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾، ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ یہ دو سورتیں ہیں۔''[2]

نبی ﷺ انسانوں کی نظر اور جنوں سے پناہ مانگا کرتے تھے، جب یہ دونوں سورتیں نازل ہوئیں تو آپ نے ان کے پڑھنے کو معمول بنا لیا اور ان کے علاوہ دوسری چیزیں چھوڑ دیں۔[3] ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کو کوئی تکلیف ہوتی تو آپ مُعَوِّذَتَیْنِ، یعنی ﴿قُلْ

---

[1] صحیح مسلم، صلاۃ المسافرین، باب فضل قراءۃ المعوذتین، حدیث: 814

[2] سنن النسائی، الاستعاذۃ، باب ماجاء فی سورتی المعوذتین، حدیث: 5434

[3] جامع الترمذی، الطب، باب ماجاء فی الرقیۃ بالمعوذتین، حدیث: 2058

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ①

(اے نبی!) کہہ دیجیے: میں صبح کے رب کی پناہ میں آتا ہوں ①

اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴾ اور ﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴾ پڑھ کر اپنے جسم پر پھونک لیتے، جب آپ کی تکلیف زیادہ ہوگئی تو میں یہ سورتیں پڑھ کر آپ کے ہاتھوں کو برکت کی امید سے آپ کے جسم پر پھیرتی۔ ①

نبی ﷺ پر کیے گئے جادو کا توڑ:

جب نبی ﷺ پر جادو کیا گیا تو جبرائیل علیہ السلام یہی دو سورتیں لے کر حاضر ہوئے اور فرمایا کہ ایک یہودی (لبید بن اعصم) نے آپ پر جادو کیا ہے اور یہ جادو فلاں کنویں میں ہے۔ آپ نے علی رضی اللہ عنہ کو بھیج کر اسے منگوایا (یہ ایک کنگھی کے دندانوں اور بالوں کے ساتھ ایک تانت کے اندر گیارہ گرہیں پڑی ہوئی تھیں اور موم کا ایک پتلا تھا جس میں سوئیاں چبھوئی ہوئی تھیں)۔ جبرائیل علیہ السلام کے حکم کے مطابق آپ ان دونوں سورتوں میں سے ایک ایک آیت پڑھتے جاتے اور گرہ کھلتی جاتی اور سوئی نکلتی جاتی۔ خاتمے تک پہنچتے پہنچتے ساری گرہیں بھی کھل گئیں اور سوئیاں بھی نکل گئیں اور آپ اس طرح صحیح ہو گئے جیسے کوئی شخص جکڑ بندی سے آزاد ہو جائے۔ ② آپ کا یہ معمول بھی تھا کہ رات کو سوتے وقت سورۂ اخلاص اور معوذتین پڑھ کر اپنی ہتھیلیوں پر پھونکتے اور پھر انھیں پورے جسم پر مل لیتے، پہلے سر، چہرے اور جسم کے اگلے حصے پر ہاتھ پھیرتے، اس کے بعد جہاں تک آپ کے ہاتھ پہنچتے۔ تین مرتبہ آپ ایسا کرتے۔ ③

[1] فَلَق کے راجح معنی صبح کے ہیں۔ صبح کی تخصیص اس لیے کی کہ جس طرح اللہ تعالیٰ رات کا

① صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب فضل المعوذات، حدیث:5016 و صحیح مسلم، السلام، باب رقیة المریض بالمعوذات والنفث، حدیث:2192

② صحیح البخاری، الطب، باب السحر، حدیث:5763 وصحیح مسلم، السلام، باب السحر، حدیث: 2189 و مسند أحمد: 367/4 وفتح الباری: 232,225/10

③ صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب فضل المعوذات، حدیث: 5017

مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ② وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ③

(ہر) اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی② اور اندھیری رات کے شر سے جب وہ چھا جائے③

وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ④ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ⑤

اور گرہوں میں پھونکیں مارنے والیوں کے شر سے④ اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے⑤

اندھیرا ختم کر کے دن کی روشنی لاسکتا ہے، وہ اللہ اسی طرح خوف اور دہشت کو دور کر کے پناہ مانگنے والے کو امن بھی دے سکتا ہے۔ یا انسان جس طرح رات کو اس بات کا منتظر ہوتا ہے کہ صبح روشنی ہو جائے گی، اسی طرح خوف زدہ آدمی پناہ کے ذریعے سے صبحِ کامیابی کے طلوع کا امیدوار ہوتا ہے۔[1]

[2] یہ عام ہے، اس میں شیطان اور اس کی ذریت، جہنم اور ہر اس چیز سے پناہ ہے جس سے انسان کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

[3] رات کے اندھیرے میں خطرناک درندے اپنی کچھاروں سے اور موذی جانور اپنے بلوں سے اور اسی طرح جرائم پیشہ افراد اپنے مذموم ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے نکلتے ہیں۔ ان الفاظ کے ذریعے سے ان تمام سے پناہ طلب کی گئی ہے۔ ﴿ غَاسِقٍ ﴾ رات ﴿ وَقَبَ ﴾ داخل ہو جائے، چھا جائے۔

[4] ﴿ النَّفّٰثٰتِ ﴾ ''پھونکنے والیاں'' یہ مؤنث کا صیغہ ہے جو النُّفُوْس (موصوف محذوف) کی صفت ہے، مِنْ شَرِّ النُّفُوْسِ النَّفّٰثٰتِ، یعنی گرہوں میں پھونکنے والے نفسوں کی برائی سے پناہ۔ اس سے مراد جادو کا کالا عمل کرنے والے مرد اور عورت دونوں ہیں، یعنی اس میں جادوگروں کی شرارت سے پناہ مانگی گئی ہے۔ ﴿ فِي الْعُقَدِ ﴾ ''گرہوں میں۔'' جادوگر، پڑھ پڑھ کر پھونک مارتے اور گرہ لگاتے جاتے ہیں۔ عام طور پر جس پر جادو کرنا ہوتا ہے اس کے بال یا کوئی چیز حاصل کر کے اس پر یہ عمل کیا جاتا ہے۔

[5] ﴿ حَسَدَ ﴾ یہ ہے کہ حاسد محسود سے زوالِ نعمت کی آرزو کرتا ہے، چنانچہ اس سے بھی پناہ طلب کی گئی ہے کیونکہ حسد بھی ایک نہایت بری اخلاقی بیماری ہے جو نیکیوں کو کھا جاتی ہے۔

---

[1] فتح القدیر، الفلق 1:113

سُوْرَةُ النَّاسِ
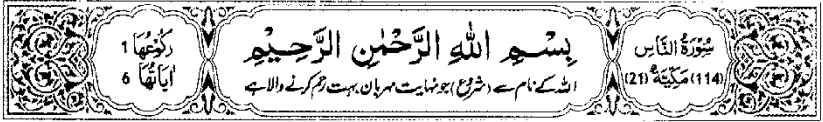
قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ① مَلِكِ النَّاسِ ②

(اے نبی!) کہہ دیجیے: میں انسانوں کے رب کی پناہ میں آتا ہوں ①انسانوں کے بادشاہ کی ②

اِلٰهِ النَّاسِ ③

انسانوں کے معبود کی ③

اس کی فضیلت گزشتہ سورت کے ساتھ بیان ہو چکی ہے۔ ایک اور حدیث ہے جس میں آتا ہے کہ نبی ﷺ کو نماز میں بچھو ڈس گیا۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ نے پانی اور نمک منگوا کر اس کے اوپر ملا اور ساتھ ساتھ ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾، ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھتے رہے۔①

[1] ﴿رَبِّ﴾ (پروردگار) کا مطلب ہے جو ابتدا ہی سے، جبکہ انسان ابھی ماں کے پیٹ ہی میں ہوتا ہے، اس کی تدبیر و اصلاح کرتا ہے حتی کہ وہ بالغ عاقل ہو جاتا ہے، پھر وہ یہ تدبیر چند مخصوص افراد کے لیے نہیں بلکہ تمام انسانوں کے لیے کرتا ہے۔ اور تمام انسانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ اپنی تمام مخلوقات کے لیے کرتا ہے۔ یہاں صرف انسانوں کا ذکر انسان کے اس شرف و فضل کے اظہار کے لیے ہے جو تمام مخلوقات پر اس کو حاصل ہے۔

[2] جو ذات تمام انسانوں کی پرورش اور نگہداشت کرنے والی ہے، وہی اس لائق ہے کہ کائنات کی حکمرانی اور بادشاہی بھی اس کے پاس ہو۔

[3] اور جو تمام کائنات کا پروردگار ہو، پوری کائنات پر اسی کی بادشاہی ہو، وہی ذات اس بات کی مستحق ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے اور وہی تمام لوگوں کا معبود ہو، چنانچہ میں اسی عظیم و برتر ہستی کی پناہ حاصل کرتا ہوں۔

① مجمع الزوائد: 111/5 وسلسلة الأحاديث الصحيحة للألباني، حديث: 548

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۵ الْخَنَّاسِ ④ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ

وسوسہ ڈالنے والے (ذکر اللہ سن کر) پیچھے ہٹ جانے والے کے شر سے ④ جو لوگوں کے

فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ⑤ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ⑥

ع 1/6 39

دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے⑤ خواہ وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے ⑥

[4] ﴿الْوَسْوَاسِ﴾ بعض کے نزدیک اسم فاعل الْمُوَسْوِسُ (وسوسہ ڈالنے والا) کے معنی میں ہے اور بعض کے نزدیک یہ ذِي الْوَسْوَاسِ ہے۔ وسوسہ مخفی آواز کو کہتے ہیں۔ شیطان بھی نہایت غیر محسوس طریقوں سے انسان کے دل میں بری باتیں ڈال دیتا ہے، اسی کو وسوسہ کہا جاتا ہے۔ ﴿الْخَنَّاسِ﴾ (کھسک جانے والا) یہ شیطان کی صفت ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو یہ کھسک جاتا ہے اور اللہ کی یاد سے غفلت برتی جائے تو دل پر چھا جاتا ہے۔

وسوسہ ڈالنے والوں کی قسمیں:

[6] یہ وسوسہ ڈالنے والوں کی دو قسمیں ہیں۔ شیاطین اور جنوں کو تو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو گمراہ کرنے کی قدرت دی ہے، علاوہ ازیں ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان اس کا ساتھی ہوتا ہے جو اس کو گمراہ کرتا رہتا ہے، چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ جب نبی ﷺ نے یہ بات فرمائی:

«مَا مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ وَكَّلَ اللهُ بِهِ قَرِينَهُ مِنَ الْجِنِّ»

”تم میں سے ہر ایک کے ساتھ اللہ نے اس کا ساتھی جنوں میں سے مقرر کر دیا ہے۔“

تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! کیا وہ آپ کے ساتھ بھی ہے؟ آپ نے فرمایا:

«وَإِيَّايَ، إِلَّا أَنَّ اللهَ أَعَانَنِي عَلَيْهِ فَأَسْلَمَ فَلَا يَأْمُرُنِي إِلَّا بِخَيْرٍ»

”ہاں، میرے ساتھ بھی ہے، لیکن اللہ نے اس پر میری مدد فرمائی ہے اور وہ مطیع ہو گیا ہے۔ پس وہ مجھے خیر کے علاوہ کسی بات کا حکم نہیں دیتا۔“[1]

---

[1] صحیح مسلم، صفات المنافقین، باب تحریش الشیطٰن وبعثه سرایاه لفتنة الناس......، حدیث : 2814

اسی طرح حدیث میں آتا ہے، نبی ﷺ اعتکاف فرماتے تھے کہ آپ کی زوجۂ مطہرہ ام المومنین سیدہ صفیہ بنت حُیي رضی اللہ عنہا آپ سے ملنے کے لیے آئیں۔ رات کا وقت تھا، آپ انھیں چھوڑنے کے لیے ان کے ساتھ مسجد کے دروازے تک آئے۔ اتنے میں دو انصاری صحابی وہاں سے گزرے، جب انھوں نے آپ کو دیکھا تو تیز چلنے لگے۔ آپ نے ان سے فرمایا:

«عَلٰی رِسْلِكُمَا، إِنَّمَا هِیَ صَفِيَّةُ بِنْتُ حُيَيٍّ»

''ذرا ٹھہر جاؤ، یہ (میری اہلیہ) صفیہ بنت حیی ہیں۔''

انھوں نے عرض کیا: سبحان اللہ، اے اللہ کے رسول! (آپ کی بابت ہمیں کیا بدگمانی ہوسکتی تھی)۔ آپ نے فرمایا:

«إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الإِنْسَانِ مَجْرَى الدَّمِ، وَإِنِّي خَشِيتُ أَنْ يَّقْذِفَ فِي قُلُوبِكُمَا شَيْئًا»

''(یہ تو ٹھیک ہے لیکن) شیطان انسان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے، مجھے خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں وہ تمھارے دلوں میں کچھ شبہ نہ ڈال دے۔''[1]

دوسرے شیطان انسانوں میں سے ہوتے ہیں جو ناصح اور مشفق کے روپ میں انسانوں کو گمراہی کی ترغیب دیتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ شیطان جن کو گمراہ کرتا ہے یہ ان کی دو قسمیں ہیں، یعنی شیطان انسانوں کو بھی گمراہ کرتا ہے اور جنات کو بھی۔ صرف انسانوں کا ذکر تغلیب کے طور پر ہے ورنہ جنات بھی شیطان کے وسوسوں سے گمراہ ہونے والوں میں شامل ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ جنوں پر بھی قرآن میں ﴿رِجَالٌ﴾ (لوگوں) کا لفظ بولا گیا ہے۔[2] اس لیے وہ بھی نَاسٍ (انسانوں) کے مصداق ہیں۔

---

① صحیح البخاری، الاعتکاف، باب هل یخرج المعتکف لحوائجه......، حدیث: 2035 و بدء الخلق، باب صفة إبلیس و جنوده، حدیث: 3281 وصحیح مسلم، السلام، باب بیان أنه یستحب لمن رؤی ...، حدیث: 2175

② سورة الجن 72:6

تلاش حق سیریز

تلاشِ حق میں سرگرداں لوگوں تک اسلام کی دعوت پہنچانے کے لیے
انتہائی مستند، جامع اور دل پذیر کتابوں کا سیٹ، اردو میں پہلی بار

خود پڑھیے اور دوسروں کو پڑھائیے!

* توحید اور ہم
* رحمتِ عالم ﷺ
* قرآن کی عظمتیں اور اس کے معجزے
* اسلام کی امتیازی خوبیاں
* اسلام کے بنیادی عقائد
* اسلام میں بنیادی حقوق
* اسلام کی سچائی اور سائنس کے اعترافات
* اسلام پر 140 اعتراضات کے عقلی و نقلی جواب
* اسلام ہی ہمارا انتخاب کیوں؟
* میں توبہ تو کرنا چاہتا ہوں لیکن!
* جنت میں داخلہ، دوزخ سے نجات

ترجمہ و تفسیر

تیسواں پارہ

قرآنِ مجید فرقانِ حمید کا تیسواں پارہ عـــمّ جو 37 چھوٹی سورتوں پر مشتمل ہے، قرآن فہمی اور حفظِ قرآن کے لیے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ زیرِ نظر ترجمہ وتفسیر پارہ عـمّ دارالسلام کی طرف سے شائع شدہ تفسیر احسن البیان کا ایک حصہ ہے جو تعلیمی وتدریسی اور تربیتی مقاصد اور ترجمہ کلاسوں کے لیے بطورِ خاص شائع کیا گیا ہے۔ اس میں ترجمے کو قرآنی متن کے قریب تر رکھنے کے لیے بین السطور دیا گیا ہے۔

پارہ عـــمّ کے تفسیری حواشی میں شامل تمام احادیث کی تخریج کی گئی ہے اور انھیں جدید اُسلوب کے مطابق آیات نمبر کے تحت پیش کیا گیا ہے، نیز مضامین قرآن کا سورت وار جامع اشاریہ بھی دیا گیا ہے۔ اس سے ہر سورت کے مضامین اور موضوعات کو ایک ساتھ سمجھنا آسان ہو گیا ہے اور ترجمے کی سلاست اور روانی نے ہر خاص وعام کے لیے قرآنی تعلیمات سے کما حقہ استفادہ ممکن بنا دیا ہے۔ یوں دارالسلام کی یہ مترجم تفسیری پیشکش حقیقت کے متلاشی قارئین کے لیے ایک سوغات کی حیثیت رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے ہم سب کے حسنات میں شمار کرے۔ آمین!

ISBN: 9960-9825-0-5
9 789960 982502
PRINTED IN CHINA - 06